

جب اللہ کسی سے محبت کرنے لگے

بخاری شریف کی روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إذا أحب الله تعالى العبد نادى جبريل: إن الله تعالى يحب فلانا فأحببه، فيحبه جبريل فينادي في أهل السماء، إن الله يحب فلانا فأحبوه، فيحبه أهل السماء، ثم يوضع له القبول في الأرض.)) (صحيح بخاري، بدء الخلق، باب ذكر الملائكة: ۳۲۰۹)

”جب اللہ تعالیٰ بندے سے محبت فرماتے ہیں تو جبریل علیہ السلام کو بتلا دیتے ہیں کہ وہ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے پس تُو بھی اس سے محبت کر، پس جبریل علیہ السلام اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔ پھر جبریل علیہ السلام آسمان والوں (فرشتوں) میں منادی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو، پس آسمان والے اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں، پھر اس شخص کے لیے زمین میں قبولیت رکھ دی جاتی ہے (یعنی اہل زمین میں بھی وہ مقبول و محبوب ہو جاتا ہے۔)“

اللہ کا محبوب بننے کا طریقہ

جو دو مسلمان ایک دوسرے سے اللہ کی خاطر محبت کرتے ہیں تو وہ اللہ کے بھی محبوب بن جاتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے امام مسلم نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی کسی دوسری بستی میں اپنے بھائی کی زیارت کرنے کے لیے گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتے کو بٹھادیا جو اس کا انتظار کرنے لگا۔ جب وہ شخص اس کے پاس سے گزرا تو فرشتے نے پوچھا: تم کہا جا رہے ہو؟ اس نے کہا: اس بستی میں میرا بھائی رہتا ہے، اس کے پاس جا رہا ہوں۔ فرشتے نے پوچھا: کیا اس کا تم پر کوئی احسان ہے جس کی وجہ سے تم یہ تکلیف اٹھا رہے ہو اور اس کا بدلہ اتارنے جا رہے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، صرف اس لیے جا رہا ہوں کہ اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں اس پر فرشتے نے کہا:

”فإني رسول الله إليك بان الله قد أحبك كما أحبته فيه .“

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۵۶۷)

”میں تیری طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں (اور یہ بتانے آیا ہوں) کہ اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے محبت کرتے ہیں جیسے تُو اس (بھائی) سے صرف اللہ کے لیے محبت کرتا ہے۔“

معلوم ہوا کہ نیک لوگوں سے اللہ کی رضا کے لیے محبت کرنا اللہ کی محبت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس کے برعکس جو شخص نیک لوگوں اور اولیاء اللہ سے نفرت کرتا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔

حدیث قدسی میں ہے:

((من عادى لي وليا فقد اذنته بالحرب)) (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۶۵۰۶)

”جو میرے کسی ولی سے دشمنی کرے، میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔“

مومن کی باہم محبت میں مثال:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تُو مومنوں کو آپس میں ایک دوسرے سے رحم کا معاملہ کرنے ایک دوسرے سے محبت و تعلق رکھنے اور ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی و معاونت کا سلوک کرنے میں ایسا پائے گا جیسا کہ بدن کا حال ہے کہ جب بدن کا کوئی عضو دکھتا ہے تو بدن کے باقی اعضاء اس ایک عضو کی وجہ سے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں اور بیداری و بخار کے تعب و درد میں سارا جسم شریک رہتا ہے۔“

(بخاری، رقم الحدیث: ۶۰۱۱، مسلم، رقم الحدیث: ۶۵۸۶)

فہرست

	جواہر پارے	جب اللہ کسی سے محبت کرنے لگے
	کلمہ طیبہ	اللہ کا محبوب بننے کا طریقہ
	اداریہ	قدر افزائی
2	درس قرآن	تفسیر سورہ فاطر..... (۳۶)
4	درس حدیث	توفیق الباری
6	تحقیق و تنقید	مسند الامام أبی حنیفہ للحارثی
9	یاد رفتگان	الامیر سلطان بن عبدالعزیز آل سعود (رحمۃ اللہ علیہ)
16	تعلیم و تربیت	زندگی عمل سے تعبیر ہے
19	فکر و نظر	دینی مدارس..... اصلاح احوال!
25	مقام رسالت	نور ہدایت
28	تبصرہ کتب	روح قرآن۔ جرح و تعدیل
29	شعر و ادب	ہلال و صلیب

(حافظ احمد شاہ)

(مولانا ارشاد الحق اثری)

(حافظ محمد اشرف سعید)

(مولانا ارشاد الحق اثری)

(محمد سلیم چنیوٹی)

(مولانا قاضی عبدالرحیم)

(محمد یسین ظفر)

(عطاء محمد جنجوعہ)

(محمد سلیم چنیوٹی۔ حماد الحق نعیم)

(مولانا ظفر علی خان رحمۃ اللہ علیہ)

”قدر افزائی“

پوری دنیا آج کل معاش و معیشت کے گرداب میں اس طرح الجھی ہوئی ہے کہ امریکا سمیت اس کا سر کسی کے ہاتھ نہیں آ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک سے زیادہ مقامات پر مختلف اسلوب میں وضاحتاً ارشاد فرمایا ہے، مثلاً:

”خسکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے اور جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے سو تمہارے اپنے فعلوں سے اور بہت سے گناہ تو وہ معاف کر دیتا ہے۔“ (الروم: ۴۱) ایک جگہ یہ بھی فرمایا کہ جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہاری اپنی ہی شامت اعمال ہے جب کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ بہت کچھ معاف فرما دیتا ہے۔ اسی طرح کے معانی پر مشتمل بہت سی آیات ہیں۔

دنیا میں معیشت کی زبوں حالی کا بہت بڑا سبب سود کا چلن ہے کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے:

”اگر ایسا (سود ترک) نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ (کہ تم) اللہ اور رسول سے جنگ کرنے کے لیے (تیار ہوتے ہو۔)“ (البقرہ: ۲۷۹)

یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ گزشتہ آیت میں فرما چکا ہے کہ ”اللہ سود کو ناپسند ہے“ (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے۔“ (البقرہ: ۲۷۶)

اس لیے ہر مسلمان کی طرح ہمارا بھی ایمان ہے کہ سود میں کبھی بھی اور کسی بھی سطح پر خیر ہو ہی نہیں سکتی، بلکہ ہمارے ذہن میں یہ خیال بھی بار بار آتا رہا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ جب سے سود کو حلال کرنے کے فقہی حیلے بروئے کار لانے شروع کیے گئے ہیں تب سے وطن عزیز مصائب و آلام اور فتنوں کے گھن چکروں میں دن بدن زیادہ دھنستا جا رہا ہے۔

ہاں تو بات چلی تھی معاش و معیشت کے گرداب کی تو اس سلسلے میں قرآن کریم نے ہمیں جو بتایا وہ شروع میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ اب آپ سورہ طہ کی آیت نمبر ۱۳۲ ملاحظہ فرمائیں جس میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے تنگی معاش کا ایک ابدی اصول ذکر فرمایا ہے:

”اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی۔“

بعض مترجمین نے اس آیت کا ترجمہ ”میری یاد سے غافل ہو جائے گا“ بھی کیا ہے۔ بعض مفسرین نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ ”یاد سے غفلت“ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو جس قدر علم دین عطا فرمایا ہے اگر وہ اس سے غافل ہو جائے (یعنی علماً یا عملاً بھول جائے) تو اس کی زندگی..... رزق و معاش..... بے برکت اور ضیق (تنگ) ہو جائے گی۔

اس آیت کے معنی و مفہوم کو اگر پھیلا دیا جائے، اور پھیلا نا بھی چاہیے تو وطن عزیز کا ہر فرد علم، وقت اور مال کی بے برکتی سے دوچار ہے۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ ہمیں اپنی اس کوتاہی (دین سے دوری) کے باعث اپنے اعمال، جن کے سبب ہم پر آزمائشیں آتی ہیں، کے اصلاح کی فکر ہے اور نہ ہی رجوع الی اللہ کی طرف ہمارا کبھی دھیان گیا ہے۔ عوام صرف اپنے اعمال کی جزا و سزا ہی نہیں پارہے بلکہ حکمرانوں کی بد عملیوں، بد عنوانیوں بلکہ بد نیتوں جیسے اعمال سیر کی سزا بھی بھگت رہے ہیں۔ پاکستان میں ویسے تو مسائل کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ عقیدے میں جائیں تو شرک یعنی غیر اللہ کی پرستش کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ عمل میں جائیں تو اس وقت لوڈ شیڈنگ کو مسائل کی جڑ بنادیا گیا ہے۔ توانائی کے شعبے یعنی پاور سیکٹر میں جائیں تو ایران، چائین کی سستے داموں بجلی فراہم کرنے کی پیشکشوں کے علاوہ ملکی سائنس دانوں اور بعض ہونہار طلباء کے بجلی پیدا کرنے کے منصوبوں کی خدمات سے حکومت کی بے اعتنائی لمحہ فکر یہ ہے۔ رینٹل پاور کمپنیوں کی جو تفصیلات اب منظر عام پر آ رہی ہیں وہ عام آدمی کی حواس باختگی کے لیے کافی ہیں۔ پھر اس کے بعد ریلوے جیسا نفع بخش ادارہ جن حالات پر پہنچ چکا ہے اس میں نا اہل بھرتیوں، اقربا نوازیوں، بے جانوازشوں کے علاوہ کاروباری سازشوں نے اس کو تباہی کی دہانے پر پہنچا دیا ہے۔ ریلوے کے مسافروں اور ملازمین کے علاوہ کاروباری طبقے میں یہ بات ایک عرصہ سے زبان زد عام ہے کہ ریلوے کے اوقات آمد و رفت میں تخریب کاری اس لیے کی جاتی ہے تاکہ مسافر پرائیویٹ ٹرانسپورٹ کو ترجیح دیں۔ اب چند سالوں سے ٹرانسپورٹ میں مسافروں کے لیے جو سہولتیں مہیا کی جا رہی ہیں ریلوے کی تباہی کے لیے وہی کافی تھیں کہ طویل المسافت روٹوں پر سائنس

سے بھر پور بسوں نے ریلوے کی پیٹھ میں آخری کیل بھی ٹھونک دی، پھر ماشاء اللہ ریلوے وزیر جس علاقے سے تعلق رکھتے ہیں وہاں تو دائیں بائیں ٹرانسپورٹ رہی ہوتے ہیں اور جناب وزیر کا اصرار بھی ریلوے کی وزارت ہی کا ہے جو بہت سے سوالات کو جنم دیتا ہے۔ تو اب ان حالات میں ریلوے کیسے بہتر ہو سکتی یا چل سکتی ہے کہ یہاں آوے گا آواہی بگڑا ہوا ہے۔ یہی حال پی۔ آئی۔ اے اور سٹیل مل کا ہے کہ ہر دور کے حکمران، خاندانی سیاست دان اور سیاسی جماعتیں ہی ان اداروں کو لوٹتی رہیں تو پھر ان اداروں میں اب بہتری کس طرح آ سکتی ہے۔ حکومتی (قومی و صوبائی) ادارے، حکومتی مصنوعات کی داہنگی نہیں کرتے۔ صوبہ کے لحاظ سے شاید پنجاب ہی اس کی داہنگی کرتا ہے اس میں بھی شادیوں، جلسوں اور نام نہاد دینی محافل میں جو بجلی چوری کی جاتی ہے ان کا نزلہ بھی برعوض ضعیف کے مصداق عوام پر ہی گرتا ہے۔ باقی رہے وزیروں مشیروں کے اخراجات تو کوئی حکمران بھی اس میں کمی نہیں کرتا اور معیشت کا حال پھر بدتر نہ ہو تو کیا ہو۔ اب طاغوت کی دیرینہ خواہش بر آری کرتے ہوئے کسی بزرگ جہم نے معیشت کی بہتری کے لیے بھارت کو تجارت کے لیے پسندیدہ ملک قرار دیے جانے کی تجویز دی جو مقتدر سیاسی جماعت نے تو فوراً پاس کر دی کہ شاید یہ ان کے دل کی آواز بھی اور اب وہ اسمبلیوں سے اس کو منظور کروانے کے لیے بے تابی سے پرتوں رہی ہے۔ جن افراد نے اس تجویز کو پیش کیا یا پاس کیا ہے یا تو وہ قیام پاکستان کے بعد کی ”پیداوار“ ہوں گے یا ممکن ہے گو کھیل رہے ہوں یا پھر وہ زیادہ سے زیادہ بالی عمر یا میں ہوں گے جس بنا پر ان کو یہ تجویز سوجھی یہ کہنا تو مشکل ہے کہ کسی غیر پاکستانی نے یہ تجویز ان کی زبان سے کہلوائی ہو، تاہم تجویز دینے والے صاحب اگر اپنے کسی بزرگ یا بڑے سے، خصوصاً جنھوں نے اس وقت خون مسلم کی ارزانی دیکھی ہو، مشورہ کیا ہوتا تو وہ بزرگ کبھی اس تجویز کی تائید نہ کرتے اور ان کو بتاتے کہ یہ ملک لاکھوں جانوں کی قربانی کے بعد حاصل کیا گیا ہے اور یہ کہ قیام پاکستان کی بنیادی وجہ مسلمانوں کی زبوں حالی تھی جس کا سبب ہندو تھا۔ ہمارے پالیسی سازوں نے لاکھوں شہداء کے خون کی یہ ”عزت افزائی“ کی کہ ◎ گزشتہ دو دہائیوں میں ہم اس ہندو حکومت کو فلموں اور گانوں کے ذریعے اربوں کھربوں کا بزنس دے چکے ہیں۔ ◎ پاکستانیت کی شہرت رکھنے والے ایک حکمران چینی، گندم، سر یا اور سینٹ کی تجارت کا حظ اٹھا چکے ہیں۔ ◎ حقیقی جمہوری حکمران اپنی جنم بھومی سے آلو، لہسن، پیاز، ادراک اور ٹماٹر منگوا کر پاکستان کی زرعی صلاحیت پر ٹھپہ لگوا چکا ہے۔ ◎ اب ہمارے عوامی حکمران اس کو پسندیدہ ملک قرار دلو کر بھارت کو افغان مارکیٹ ہتھیانے کے علاوہ روس کی نو آزاد اسلامی ریاستوں کی منڈی پلیٹ میں رکھ کر پیش کر رہے ہیں کہ ان حکمرانوں کو تو صرف بالائی کا حصہ رسدی چاہیے۔ باقی رہی پاکستان کی معیشت تو اس گھور کدھندے سے انھیں کیا غرض کہ ان کی جائیدادیں بھی ملک سے باہر ہیں، اولاد بھی ادھر تو ان کا حکمرانی پوائنٹ ہے۔ جب چشم یار کی شہ پائیں گے دوبارہ آ جائیں گے ورنہ انھوں نے یہاں تو لینا ہے جو حسب توفیق لیتے رہتے ہیں۔ باقی رہا وطن عزیز تو اس کے لیے عوام کا خون ہی کافی ہے، جب چاہا عوام کو ایک مروڑا دے کر حسب طلب نیچڑ لیا، دوبارہ ضرورت پڑنے پر وہ مزید نیچڑ نا جانتے ہیں۔

یہ حکمران اگر یہ سوچ لیتے کہ ہمارا پسندیدہ ملک تو وہی ہے جس نے وطن عزیز کا ایک بازو الگ کر دیا تھا پھر اس کی وزیر اعظم نے بڑے فخر سے یہ کہا تھا کہ ہم نے نظریہ پاکستان کو دیا برد کر دیا ہے۔ اور یہ وہی ملک تو ہے جو آج تک وطن عزیز کو دل سے تسلیم ہی نہیں کر سکا، جن کے آباء و اجداد کے خون سے سر زمین ہند لالہ زار بن گئی تھی، تو یہ فوراً فیصلہ نہ کرتے، یہ تو ان سے پوچھیں کہ پسندیدہ ملک قرار دینے سے ان غم رسیدہ خاندانوں پر کیا گزرے گی۔ باقی رہی معیشت کی بہتری تو شروع ہی میں فرامین الہی کی روشنی میں اس کے بارے میں ہم اظہار کر چکے ہیں کہ معیشت کی بہتری ہمارے اعمال کی بہتری سے ہوگی۔ ورنہ میاں نواز شریف نے اپنے پہلے دور حکومت میں کاروں اور کاغذ کی جو ملیں لگوائی تھیں ان کے سامنے پاکستانی مصنوعات کی مارکیٹ یہی افغانستان اور نو آزاد اسلامی ریاستیں تھیں جس کو عالمی دسیسہ کاروں نے اس لیے دبا دیا کہ ان کے ذہنوں پر مسلم بلاک بن جانے کا خوف سوار ہے یہ بلاک آج نہیں تو کل بن جائے گا اور ان شاء اللہ ضرور بنے گا اور معیشت کی بہتری کی دوسری تجویز جو میاں صاحب کے دور حکومت کی تھی اور جو چند روز اخبارات میں گھومتی بھی رہی، وہ موٹر وے کی طرح کراچی تا پشاور براستہ بلوچستان انڈس ہائی وے کی تجویز بھی جس کی لاگت بنانے والوں نے ٹول ٹیکس سے پوری کرنی تھی اور بعد میں یہ شاہراہ نفع میں بیچ جانی تھی۔ بلوچ عوام کے روزگار کے لیے نڈس ہائی وے کے گریفیکٹریوں اور کارخانوں کی ایک چین بھی ان کے سامنے تھی، لیکن سیاسی لیٹیروں، قبائلی وڈیروں اور عالمی شطرنج کے کھلاڑیوں نے اس بری طرح ناکام کیا کہ ان تجویز کا پرنٹ یا الیکٹرانک میڈیا میں اب کبھی ذکر تک نہیں آیا۔ اب بتائیں کہ یہ احوال ہمارے اعمال کے ہوں اور یہ کارکردگی ہمارے منصوبہ سازوں کی تو پھر کسی بھی ملک کو پسندیدہ قرار دیے جانے سے معیشت بہتر ہو جائے گی؟

تفسیر سورہ فاطر

مولانا ارشاد الحق اثری رحمۃ اللہ علیہ

پر ایمان رکھتے ہیں مگر ان کی نافرمانی کرتے ہیں۔ اہل مکہ ”امی“ یعنی کتاب و شریعت سے بے خبر تھے، اسی بنا پر یہود ان کو حقیر سمجھتے تھے بلکہ بعض تو اپنے لیے ان کا مال ہڑپنا بھی جائز سمجھتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّينِ سَبِيلٌ﴾

[آل عمران: ۷۵]

”یہ اس لیے کہ انھوں نے کہا: ہم پر ان پڑھوں کے بارے میں (گرفت کا) کوئی راستہ نہیں۔“

یہود کے ایسے رویے سے ان کا دل برداشتہ ہونا فطری عمل تھا، اسی لیے وہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے کہ اگر ہمارے ہاں کوئی رسول آیا تو ہم کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے بلکہ ہدایت قبول کرنے میں سب سے بازی لے جائیں گے۔

ان کی اس خواہش و تمنا کا ذکر ایک اور مقام پر بھی آیا ہے:

﴿وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُنَّ ۚ لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۚ لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝﴾

[الصافات: ۱۶۷-۱۶۹]

”اور بے شک وہ (کافر) تو کہا کرتے تھے: اگر واقعی ہمارے پاس پہلے لوگوں کی کوئی نصیحت ہوتی تو ہم ضرور اللہ کے چنے ہوئے بندے ہوتے۔“

اسی طرح سورہ انعام میں قرآن پاک کی تابعداری کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أُنْزِلَ الْكِتَابُ عَلٰى طَائِفَتَيْنِ مِّنْ

﴿وَأَقْسَبُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إْحْدَى الْأُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا﴾ [الفاطر: ۴۲]

”اور انھوں نے اللہ کی پختہ قسم کھائی کہ واقعی اگر کوئی ڈرانے والا ان کے پاس آیا تو ضرور بالضرور وہ امتوں میں سے کسی بھی امت سے زیادہ ہدایت پانے والے ہوں گے، پھر جب ان کے پاس ایک ڈرانے والا آیا تو اس نے ان کو دور بھاگنے کے سوا کچھ زیادہ نہیں کیا۔“

پہلی آیات میں شرک کا ابطال اور توحید باری تعالیٰ کا اثبات تھا کہ اللہ کے سوا جنھیں تم پکارتے ہو نہ وہ کسی چیز کے خالق ہیں، نہ کسی چیز کے مالک اور نہ ہی ان کے شریک ہونے پر کوئی نقلی دلیل ہے۔ شرک کا یہ سارا کاروبار دھوکے اور فریب پر مبنی ہے۔ اپنی اپنی دکانیں چکانے اور محض لوگوں کو گرویدہ بنانے کے پراپیگنڈے ہیں کہ فلاں صاحب بڑی ہستی ہیں، بڑے اختیار والے ہیں۔ وہاں جو جاتا ہے اپنی مراد پاتا ہے، کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ یہ سب دھوکے بازی اور فریب کاری ہے۔ اختیارات کا وہی مالک ہے جس کی حکم رانی آسمانوں اور زمین پر ہے۔

اس آیت میں مشرکین مکہ کی مزید حماقت کی تردید ہے کہ بات بات پر لات وعزئی کی قسمیں کھانے والے، اس بارے میں اللہ کی پختہ قسمیں کھاتے تھے کہ اگر ہمارے پاس رسول آیا تو ہم سب امتوں سے بڑھ کر ہدایت پانے والے ہوں گے۔

قریش مکہ یہودیوں سے باخبر تھے کہ وہ اہل کتاب ہیں، رسولوں

قَبَلْنَا ۖ وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَفِيلِينَ ۝ أَوْ تَقُولُوا
لَوْ أَنَّا أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ لَكُنَّا أَهْدَىٰ مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ
جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ ۚ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ ۚ

[الأنعام: ۱۵۶، ۱۵۷]

”ایسا نہ ہو کہ تم کہو کہ کتاب تو صرف ان دو گروہوں
(یہود و نصاریٰ) پر اتاری گئی جو ہم سے پہلے تھے اور بے
شک ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے یقیناً بے خبر تھے۔ یا
یہ کہو کہ اگر واقعی ہم پر کتاب اتاری جاتی تو ہم ان سے
زیادہ ہدایت والے ہوتے۔ پس بے شک تمہارے پاس
تمہارے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل اور ہدایت
اور رحمت آ چکی۔“

گویا اتمام حجت ہم نے کر دی ہے۔ یہاں بھی بات فرمائی
گئی ہے کہ ان کی چاہتوں کے مطابق ہم نے رسول بھیجا مگر ان میں
کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہ آئی۔ ہدایت کی بجائے الثا نفرت و تمرد میں
ہی اضافہ ہوا۔

امام رازی رحمہ اللہ نے یہاں عام مفسرین سے اختلاف کیا ہے اور
فرمایا ہے کہ اس آیت میں بھی مشرکین مکہ کی مزید تکذیب کا ہی ذکر
ہے کیونکہ جب کوئی کسی کا قرض ادا کرنے سے انکار کرتا ہے تو اس
نے کبھی یہ کہا ہے کہ اللہ کی قسم! اگر مجھے علم ہوتا کہ میں اس کا مقروض
ہوں تو میں ضرور اس کا قرض ادا کر دیتا بلکہ احساناً قرض کی رقم سے
زیادہ رقم ادا کرتا۔ یہ بات دراصل وہ اس تناظر میں کہتا ہے کہ مجھ سے
قرض کا مطالبہ ہی باطل ہے۔ بالکل اسی طرح اہل مکہ رسول کے منکر
تھے اور کہتے تھے کہ اگر رسول آئے تو ہم ہدایت میں کسی سے پیچھے نہیں
رہیں گے مگر جب رسول آئے تو ان کی نفرت میں اضافہ ہی ہوا۔ وہ
پہلے اللہ کے کافر تھے، پھر رسول اللہ کے بھی کافر ہو گئے:

”کانوا کافرین باللہ وبعدها صاروا کافرین
باللہ ورسولہ۔“

انہوں نے محمد ﷺ کا انکار بایں طور کیا تھا کہ آپ ﷺ رسول
نہیں ہو سکتے۔ یہ رسالت کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں۔ اگر واقعی یہ رسول
ہوتے تو ہم تسلیم کر لیتے اور ہدایت میں کسی سے پیچھے نہ رہتے۔
مگر یہ توجیہ و تاویل محل نظر ہے۔ اولاً: کفار مکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے
منکر و کافر نہیں تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کے مرتکب تھے اور
یہی ان کا کفر تھا۔

ثانیاً: امام رازی رحمہ اللہ نے مثال تو قرض کی ادائیگی سے شدید
انکار کی دی ہے کہ مطالبہ قرض ہی باطل ہے۔ اس سے تو معلوم ہوتا
ہے کہ وہ کسی رسول کی رسالت کے ہی منکر تھے جیسا کہ خود انہوں نے
فرمایا بھی ہے:

”کانوا منکرین للرسالة۔“

”وہ رسالت کے منکر تھے۔“

لہذا اُن کے انکار رسالت کے باوجود مطالبہ رسول اور اس
مطالبے کی تکمیل کے بعد ان کے تمرد پر انکار بلا وجہ ہو کر رہ جاتا ہے۔
صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ مشرکین فی الجملہ رسالت کے منکر نہیں
تھے۔ ان کا یہ کہنا کہ

﴿اهدی من احدى الامم﴾

بھی اس کا مؤید ہے کہ وہ رسالت کے منکر نہیں تھے کیونکہ اس
میں بھی یہود و نصاریٰ کی طرف اشارہ ہے۔

البتہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے منکر تھے اور کہتے تھے:

﴿لَسْتُ مُرْسَلًا ط﴾ [الرعد: ۴۳]

”آپ رسول نہیں ہیں۔“

جس طرح وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے کافر و منکر نہیں تھے، اسی طرح
رسالت کے بھی منکر نہیں تھے، البتہ وہ صرف اللہ کی الوہیت میں
دوسروں کو شریک بناتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے
منکر تھے۔



توفیق الباری

”الادب المفرد“ للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات و فوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ
تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکول شالامار باغ۔ لاہور)

۱۱۱۵. عن ربعي بن حراش قال: حدثني رجل من بني عامر جاء إلى النبي ﷺ فقال: أألج؟ فقال النبي ﷺ للجارية: ((أخرجي فقولِي له: قل: السلام عليكم، أأدخل؟ فإنه لم يحسن الاستئذان)) قال: فسمعتها قبل أن تخرج إلي الجارية، فقلت: السلام عليكم، أأدخل؟ فقال: ((وعليك، أدخل)) قال: فدخلت، فقلت: بأي شيء جئت؟ فقال: ((لم أتكم إلا بخير، أتيتكم لتعبدوا الله وحده لا شريك له، وتدعوا عبادة اللات والعزى، وتصلوا في الليل والنهار خمس صلوات، وتصوموا في السنة شهرا، وتحجوا هذا البيت، وتأخذوا من مال أغنيائكم فتردوها على فقرائكم)) قال: فقلت له: هل من العلم شيء لا تعلمه؟ قال: ((لقد علم الله خيرا، وإن من العلم ما لا يعلمه إلا الله، الخمس لا يعلمهن إلا الله: ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ﴾ (صحيح الإسناد)

”حضرت ربیع بن حراش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے بنی

عامر کے ایک آدمی نے بیان کیا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا: کیا میں گھر میں داخل ہوجاؤں؟ نبی اکرم ﷺ نے لوٹدی سے کہا: ”باہر جا کر اسے بتاؤ کہ وہ اس طرح کہے: السلام علیکم، کیا میں اندر آجاؤں؟ کیونکہ اس نے صحیح طریقے سے اجازت طلب نہیں کی“ (یعنی اس نے سلام کے بغیر اجازت طلب کی تھی) اس آدمی نے کہا: میں نے لوٹدی کے باہر آنے سے پہلے ہی آپ ﷺ کی آواز سن لی اور میں نے کہا: السلام علیکم، کیا میں اندر آجاؤں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تم پر بھی اللہ کی سلامتی ہو، اندر آجاؤ۔“ میں اندر داخل ہو گیا۔ میں نے سوال کیا: آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کون سی چیز لے کر آئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں تمہارے پاس خیر کے سوا کچھ اور لے کر نہیں آیا ہوں۔ میں تمہارے پاس اس لیے آیا ہوں تاکہ تم اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کرو اور لات و عزی کی عبادت چھوڑ دو۔ رات اور دن میں پانچ نمازیں پڑھو۔ سال میں ایک ماہ کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔ اپنے مالداروں سے (زکوٰۃ) لے کر اپنے غریب لوگوں کو دو۔“ اس آدمی نے کہا: پھر میں نے آپ ﷺ سے سوال کیا: کیا کوئی ایسی چیز ہے جسے آپ ﷺ نہ جانتے ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کچھ علم ایسے ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، وہ پانچ چیزیں ہیں

۱۱۱۸ . عن بريدة قال: خرج النبي ﷺ إلى المسجد، وأبو موسى يقرأ، فقال: ((من هذا؟)) فقلت: أنا بريدة جعلت فداك، فقال: ((قد أعطي هذا زمماراً من زمائر آل داود.))

(صحیح)

”حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد کی طرف تشریف لائے تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ”یہ کون ہے؟“ میں نے عرض کی: میں آپ ﷺ پر قربان جاؤں، میں بریدہ ہوں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اس کو ال داود کی خوش الحانی کا سوز و گداز دیا گیا ہے۔“

باب: إذا استأذن فقال: ادخل بسلام

اجازت مانگنے والے کو کہو: سلامتی کے ساتھ اندر آ جاؤ

(یعنی سلام کہہ کر اندر آ جاؤ۔)

۱۱۱۹ . عن عبد الرحمن بن جدعان قال: كنت مع عبد الله بن عمر، فاستأذن علي أهل بيت، فقبل: ادخل بسلام، فأبى أن يدخل عليهم. (صحیح الإسناد)

”حضرت عبد الرحمن بن جدعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ انھوں نے اپنے گھر والوں سے اجازت طلب کی۔ انھوں نے کہا: سلامتی کے ساتھ اندر آ جاؤ لیکن انھوں نے اندر جانے سے انکار کیا۔“

باب: النظر في الدور

کسی کے گھر جھانکنا

۱۱۲۰ . أن أبا هريرة قال: قال رسول الله ﷺ:

((إذا دخل البصر فلا إذن)) (ضعيف)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہے قیامت کا علم اور نازل فرماتا ہے بارش اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں اس کو موت آئے گی، بے شک اللہ تعالیٰ ہی علیم وخبیر ہے۔“

باب: كيف الاستئذان؟

اجازت کس طرح لی جائے؟

۱۱۱۶ . عن ابن عباس قال: استأذن عمرُ علي النبي ﷺ فقال: السلام على رسول الله، السلام عليكم أيدخل عمر؟. (صحیح الإسناد)

”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو اس طرح کہا: اسلام علی رسول اللہ، السلام علیکم (اللہ کے رسول پر اور تم سب پر اللہ کی سلامتی ہو) ایدخل عمر (کیا عمر اندر آ جائے۔)“

باب: من قال: من ذا؟ فقال: أنا

کسی نے پوچھا: کون ہو؟ جواب میں کہا: میں ہوں

۱۱۱۷ . عن جابر يقول: أتيت النبي ﷺ في دبين كان على أبي، فدققت الباب، فقال: ((من ذا؟)) فقلت: أنا، قال: ((أنا أنا)) كأنه كرهه. (صحیح البخاري)

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے باپ کے قرض کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ میں نے دروازے پر دستک دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کون ہو؟“ میں نے کہا: میں ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں میں کیا ہے؟ گویا آپ ﷺ کو میرا ”میں“ کہنا اچھا نہیں لگا۔“

نے ارشاد فرمایا: ”جب کسی نے کسی کے گھر میں جھانک لیا تو اس کے لیے اندر آنے کی اجازت نہیں ہے۔“

۱۱۲۱. عن مسلم بن نذیر قال: استأذن رجل على حذيفة، فاطلع وقال: أدخل؟ قال حذيفة؟ أما عينك فقد دخلت، وأما إستك فلم تدخل.

”حضرت مسلم بن نذیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اندر آنے کی اجازت مانگی اور ساتھ اندر جھانکنا شروع کر دیا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیری آنکھیں تو داخل ہو گئی ہیں لیکن تیرے سرین داخل نہیں ہوئے۔“ (یعنی ان کی اس حرکت پر اظہارِ ناراضی کیا۔)

۱۱۲۲. وقال رجل: أستأذن على أمي؟ قال: إن لم تستأذن رأيت ما يسوءك.

”مسلم بن نذیر کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا میں اپنی والدہ سے بھی اجازت لوں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر اجازت نہیں لو گے تو ہو سکتا ہے کہ تمہیں وہ کچھ دیکھنا پڑے جو تمہیں ناپسند ہو۔“

۱۱۲۳. عن أنس بن مالك، أن أعرابيا أتى بيت رسول الله ﷺ فألقم عينه خصاص الباب فأخذ سهما أو عودا محلدا، فتوخى الأعرابي، ليفقأ عين الأعرابي، فذهب، فقال: ((أما إنك لو ثبت لفقأت عينك)) (صحیح)

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے گھر آیا اور دروازے کے سوراخ سے اندر جھانکا۔ آپ ﷺ نے تیرا کوئی نوکدار لکڑی لے کر اس بدوی کی طرف سیدھی کی تاکہ اس کی آنکھ پھوڑ دیں (وہ

دیکھ کر) پیچھے ہٹ کر چلا گیا آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تو اس جگہ کھڑا رہتا تو میں تیری آنکھ پھوڑ دیتا۔“

۱۱۲۴. عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه: من ملأ عينينه من قاعة بيت قبل أن يؤذن له فقد فسق. (ضعيف الإسناد)

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس نے اپنی دونوں آنکھوں سے کسی گھر کے صحن میں جھانکا اور اجازت بھی نہ لی تو وہ فاسق ہے۔“

۱۱۲۵. عن ثوبان مولى رسول الله ﷺ حدثه، أن النبي ﷺ قال: ((لا يحل لامرئ مسلم أن ينظر إلى جوف بيت حتى يستأذن، فإن فعل فقد دخل. ولا يؤم قوما فيخص نفسه بدعوة دونهم حتى ينصرف، ولا يصلي وهو حاقن حتى يتخفف)). قال أبو عبد الله: أصح ما يروى في هذا الباب هذا الحديث.

(صحیح)

”حضرت ثوبان مولى رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اجازت لینے سے پہلے کسی کے گھر میں جھانکے اور اجازت بھی نہ لے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو گویا وہ بغیر اجازت کے اندر آ گیا۔ کسی امام کے لیے یہ حلال نہیں کہ کسی قوم کی امامت کرائے اور صرف اپنے لیے ہی دعا کو خاص کرے۔ اور کسی نمازی کے لیے حلال نہیں کہ پیشاب اور پاخانہ روکے ہوئے نماز پڑھے بلکہ اس سے فارغ ہو کر نماز پڑھے۔“ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس باب میں یہ حدیث زیادہ صحیح ہے۔



مسند الإمام أبي حنيفة للحارثي

ایک تجزیہ و تبصرہ

مولانا ارشاد الحق اثری (ادارۃ العلوم الاثریہ، فیصل آباد)

اس گل دیگر شکفت:

یہاں یہ بات بھی دیکھیے کہ اس مسند کے محقق علامہ قاسمی صاحب نے بلا تحقیق و تنقیح ان روایات کو جن میں تین بار مسیح کا ذکر ہوا ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کی تائید میں ذکر کیا، پھر حافظ ابن الجوزی کی ”کشف المشکل“ سے یہ بھی نقل کر دیا کہ تین بار مسیح کی روایات اولیٰ ہیں اور ایک بار مسیح کی روایات اگر ثابت ہوں تو بیان جواز کے لیے ہیں، ملخصاً (۷۱/۲)

اسے کہتے ہیں۔

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو
امام ابوحنیفہ کی روایت، جس میں تین بار مسیح کا ذکر آیا ہے، کی تائید میں اس حد تک پیش قدمی کسی اور حنفی عالم کی قسمت میں کہاں کہ تین بار مسیح کی روایات کو رائج، امام احمد کے ایک قول اور امام شافعی کے موقف (کہ تین بار مسیح مسنون ہے) کو درست تسلیم کر لیا جائے۔ جب کہ امام شافعی تین بار مسیح نئے پانی سے کرنے کے قائل ہیں اور علامہ ابن جوزی سے اسی کا رائج ہونا نقل کیا جا رہا ہے تو اس کے بعد استاذ حارثی کی توجیہ و توفیق کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ علامہ قاسمی صاحب نے یہ اسلوب تحقیق و تائید اختیار کر کے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کا تحفظ تو کر لیا مگر ان کے مسلک کی کوئی فکر نہ کی اور نہ ہی استاذ حارثی کی توجیہ سے متفق ہوئے۔

علامہ علی قاری اور حدیث ابی حنیفہ:

یہی روایت اور یہی بحث مسند صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ہے جس کی شرح

علامہ علی قاری نے بھی کی ہے۔ اس کا وہ نسخہ جو ”دار الکتب العلمیہ، بیروت“ سے طبع ہوا ہے ہمارے پیش نظر ہے۔ استاذ حارثی نے امام ابوحنیفہ سے ایک بار مسیح روایت کرنے والے جارود بن یزید اور خارجہ بن مصعب کے بارے میں، اور مسند کی عبارت کی توضیح میں جو کچھ علامہ قاری نے فرمایا ہے، اس سے ان پر ہمارے اعتماد کو بڑی ٹھیس پہنچی، چنانچہ جارود بن یزید کے بارے میں انھوں نے فرمایا:

”أي العبدی قدم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سنة تسع

وأسلم مع وفد القیس، ثم أنه سكن البصرة

..... إلخ“ (شرح المسند، ص: ۴۴۶)

”جارود بن یزید العبدی ہیں۔ سن نو ہجری میں وہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وفد عبد قیس کے ساتھ

اسلام لائے، پھر انھوں نے بصرہ میں سکونت اختیار کر لی۔“

اسی طرح خارجہ بن مصعب کے بارے میں لکھتے ہیں:

”أي ابن الزبیر وهو أحد الفقهاء السبعة من

أهل المدينة.“ (شرح المسند، ص: ۴۴۶)

”خارجہ بن مصعب، یہ مصعب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے

ہیں اور خارجہ اہل مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ایک ہیں۔“

جارود اور خارجہ کے ساتھ استاذ حارثی نے اسد بن عمرو کا نام بھی

لیا مگر اس نام کا کوئی صحابی نظر نہیں آیا تو علامہ قاری مرحوم نے اس

سے سکوت فرمایا۔ یاد رہے کہ علامہ مرحوم کے نسخے میں اسد بن عمرو ہے

مگر صحیح اسد بن عمرو ہے۔ اُن کی ان توضیحات پر ہم اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا

حارثی نے ان کی روایات مسند (۳۳۲/۱-۳۳۶ اور ۷۹/۲) میں بیان کی ہیں۔ بلکہ امام محمد بن حسن کی روایت ان کی ”الآثار“ (رقم: ۲۶۸) میں، اسی طرح قاضی ابویوسف کی بھی ”الآثار“ (رقم: ۹۰۷) میں ہے اور ان میں بھی عبداللہ بن حارث ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ایک درجن سے زیادہ ان تلامذہ کی روایت کے برعکس عبدالحمید ابو یحییٰ الحمانی امام صاحب سے عبداللہ بن حارث کی بجائے یزید بن حارث کا نام لیتے ہیں، جیسا کہ استاذ حارثی نے مسند (ص: ۳۳۲، رقم: ۴۳۱) میں ذکر کیا ہے، حالانکہ امام ابو نعیم نے مسند الامام ابی حنیفہ رحمہ اللہ (رقم: ۱۴۲) میں حمانی سے عبداللہ بن حارث کا بھی ذکر کیا ہے اور اس کے علاوہ محمد بن حسن، شعیب بن اسحاق، امام ابو عبد الرحمن المقرئ، امام زفر سابق وغیرہ کی روایت میں بھی عبداللہ بن حارث ہی ذکر کیا ہے بلکہ امام ابو نعیم نے ایک اور حدیث (رقم: ۱۴۳) ”حمانی عن ابی حنیفہ“ کی سند سے ذکر کی ہے اور اس میں بھی عبداللہ بن حارث ہی ہے۔ استاذ حارثی نے بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ (مسند، رقم: ۴۴۴، نیز: ۴۴۵)

یہی سابقہ اول الذکر روایت حافظ طلحہ بن محمد نے بھی اپنی مسند میں بیان کی ہے جسے علامہ خوارزمی نے جامع المسانید (۱۵۹/۱) میں ذکر کیا ہے۔ اور حافظ طلحہ سے یہ بھی نقل کیا ہے:

”المشہور فی هذا الحدیث رواية عن أبي حنيفة له عن زياد بن علاقة عن عبد الله بن الحارث إلخ“

”اس حدیث میں امام ابوحنیفہ کی روایت میں ”زیاد بن علاقة عن عبد الله بن الحارث“ مشہور ہے۔“

مگر استاذ حارثی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح یزید بن حارث ہے کیونکہ عبدالحمید حمانی امام صاحب سے اور محمد بن زیاد بن علاقة اپنے باپ سے یوں ہی روایت کرتے ہیں، حالانکہ عبدالحمید حمانی کی روایت اس بارے میں مختلف ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے۔

إليه راجعون ہی کہہ سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر علامہ علی قاری نے استاذ حارثی کی بات کو سمجھا ہوتا تو تکلف نہ فرماتے۔ یہی ایک مقام ایسا نہیں بلکہ اس بحث میں دیگر مقامات پر بھی ایسے بہت سے تسامحات ہیں۔ مگر ہمارا مقصود علامہ علی قاری کی شرح پر تبصرہ نہیں بلکہ استاذ حارثی کی کاوش سے آگاہی ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم نے بھی علامہ علی قاری کے انہی جیسے تسامحات کے تناظر میں فرمایا ہے:

”وإنني أتعجب من العلامة القاري كيف يخطيء خطأ كثيراً في تعيين الرواة في شرحه للموطأ وشرحه لمسند الإمام الأعظم وغيرهما مع جلالتة إلخ“

(التعليق الممجد، ص: ۹۰)

”مجھے علامہ علی قاری پر تعجب ہے کہ ان سے ان کی جلالت شان کے باوجود شرح موطا اور شرح مسند امام اعظم وغیرہ کے راویوں کی تعیین میں بہت زیادہ خطائیں ہوئی ہیں۔“

شائقین اس کے علاوہ التعليق الممجد (ص: ۸۴، ۲۱۷، ۲۹۷، ۳۳، ۳۸۴) ملاحظہ فرمائیں۔

عبداللہ بن حارث یا یزید بن حارث:

استاذ حارثی نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ایک درجن سے زائد تلامذہ کی روایت کے برعکس جارود جیسے راویوں کی بنیاد پر مسح اس کے بارے میں جو موقف اپنایا ہے اس کی تفصیل قارئین کرام کے ملاحظے میں آگئی ہے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تلامذہ یحییٰ بن نصر بن حاجب، محمد بن حسن شیبانی، حمزة بن حبیب الزیات، حسن بن فرات، قاضی ابویوسف، اسد بن عمرو، ابو عبد الرحمن المقرئ، ایوب بن ہانی، حسن، سعید بن ابی الجہم، سابق البربری، یونس بن بکیر، محمد بن مسروق، ان تمام نے امام صاحب سے بواسطہ ”زیاد بن علاقة عن یزید بن حارث“ حضرت ابو موسیٰ رحمہ اللہ سے روایت بیان کی ہے۔ استاذ

عبدالرحمن عن ابی حنیفہ عن ابی الزبیر عن جابر ایک روایت ذکر ہے جس کے الفاظ ہیں:

”صلی فی ثوب واحد متوشحاً به، فقال بعض القوم لأبی الزبیر غیر المكتوبة؟ فقال: المكتوبة وغير المكتوبة.“

(مسند الحارثی: ۱/۱۵۲، رقم: ۵۲)

علامہ قاسمی صاحب نے ذکر کیا ہے کہ مسند احمد (۳/۲۹۳، ۲۹۴، ۳۰۰)، عبد بن حمید (۱۰۴۹)، مسلم (۲/۶۲)، ابن خزیمہ (۷۲۲)، ابو عوانہ (۲/۶۳)، شرح الآثار (۱/۳۸۱) اور بیہقی (۲/۲۳۸) میں کئی طرق سے یہی روایت ابو الزبیر عن جابر سے مروی ہے اور ان میں ابو زبیر کا قول نہیں ہے۔

عرض ہے کہ یہی روایت مسند امام احمد (۳/۳۸۶)، مسند السراج (رقم: ۴۷۹) میں زہیر عن ابی الزبیر سے مروی ہے اور مسند احمد میں ابو الزبیر کا قول بھی موجود ہے۔ اور مسند السراج میں یہ قول حضرت جابر ہی کا ہوگا۔ ہم یہاں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ علامہ خوارزمی نے یہی روایت جامع المسانید (۱/۳۵۰) میں پہلے استاذ حارثی سے نقل کی ہے، اس کے بعد انھوں نے حافظ طلحہ بن محمد کی مسند سے بھی اسی سند کے حوالے سے اس روایت کا ہونا ذکر کیا ہے، پھر کہا ہے:

”لكن قال الحافظ: الصواب حفص بن عبدالرحمن عن أبي خيثمة زهير بن معاوية إذ الحديث لزهير لكن وقع كذلك في أصل وكيع.“

’لیکن حافظ طلحہ نے کہا ہے کہ صحیح ”حفص بن عبدالرحمن عن ابی خيثمة زهير بن معاوية“ ہے کیونکہ یہ حدیث زہیر کی ہے۔ مگر وکیع (بن محمد بن رزمہ نيسابوري) کی اصل میں اسی طرح (یہ ابو حنیفہ سے) ہے، ورنہ صحیح ”عن الزهير عن أبي الزبير عن جابر“ کی

رہی محمد بن زیاد کی روایت تو اولاً اس کی سند کی صحت مطلوب ہے۔ ثبوت العرش ثم انقش

مگر اس کے باوجود استاذ حارثی فرماتے ہیں:

”وتبين بذلك رجحان أبي حنيفة على غيره من المحدثين في الحفظ والاتقان.“

(مسند: ۱/۳۳۸)

”اس سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے حفظ و اتقان کا رجحان دوسروں سے ظاہر ہو گیا۔“

یہ رجحان اس پر ہے کہ انھوں نے یزید بن حارث کہا۔ کس روایت کی بنیاد پر؟ محمد بن زیاد کی روایت کی بنیاد پر جبکہ امام محمد، قاضی ابو یوسف، امام زفر، امام ابو عبد الرحمن المقرئ وغیرہ ایک درجن سے زیادہ شاگرد امام صاحب سے ”عبداللہ بن حارث“ نقل کرتے ہیں۔ استاذ حارثی کے برعکس حافظ طلحہ اسی کو مشہور روایت کہتے ہیں۔ یہ مشہور روایت تو استاذ حارثی کے ہاں مرجوح قرار پائے، اور محمد بن زیاد کی روایت میں یزید بن حارث رائج شمار ہو! بلکہ امام صاحب کے حفظ و اتقان کا یہ بین ثبوت بھی ہو جائے! سوال یہ ہے کہ ایک درجن سے زائد شاگردوں سے جو امام صاحب نے ”عبداللہ بن حارث“ کہا ہے تو یہ ان کے وہم و خطا پر بین دلیل کیوں نہیں؟ ہم عرض کر آئے ہیں کہ اسی روایت میں نہیں دو اور روایات میں بھی امام صاحب عبداللہ بن حارث ہی کہتے ہیں۔ اس سے بھی حفظ و اتقان کا رجحان ہوتا ہے یا ان کے وہم و نسیان کا؟

ایک اور حدیث:

استاذ حارثی نے بڑی کوشش سے ثابت کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ سے راوی کے نام میں اور روایت کے الفاظ میں کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ اگر اس میں کوئی وزن ہوتا تو یہ سعی بڑی مبارک ہے مگر اس کی جو حیثیت ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی دیکھیے کہ مسند میں استاذ حارثی نے بواسطہ بشر بن حرب المروزی عن حفص بن

سند سے ہے۔“

گویا حافظ طلحہ اسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے ہونا درست ہی نہیں سمجھتے۔ اس سے خود استاد حارثی کے بارے میں سمجھا جاسکتا ہے کہ روایات کے جانچنے اور پرکھنے میں ان کا اپنا مقام کیا ہے۔
امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مرویات:

امام ابوحنیفہ کی مرویات کے بارے میں کبار محدثین کے آراء کے برعکس یہ تاثر دیا گیا ہے کہ وہ کثیر الروایہ تھے، البتہ ان سے احادیث کی روایت کم ہے۔ یوں ان کی قلت روایت کے وجہ بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ اسی حوالے سے ایک روایت اسی مسند میں ہے جو قابل غور ہے، چنانچہ یحییٰ بن نصر بن حاجب کا بیان ہے:

”دخلت على أبي حنيفة في بيت مملوء كتباً، فقلت: ما هذا؟ قال: هذه أحاديث كلها وما حدثت به إلا يسير الذي ينتفع به.“

(مسند، رقم: ۱۵۱۵)

”میں امام ابوحنیفہ کے گھر گیا جو کتابوں سے بھرا ہوا تھا، میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: یہ تمام احادیث ہیں مگر میں تھوڑی سے مفید احادیث ہی بیان کرتا ہوں۔“

اس قول کی صحت وضعف سے قطع نظر اس میں امام صاحب کا اعتراف ہے کہ میں نے تھوڑی سے مفید احادیث ہی روایت کی ہیں، اس لیے کسی اور توجیہ کی بجائے امام صاحب کی اس وضاحت کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ امام محمد کی کتاب الآثار میں مرفوع روایات تقریباً ۱۰۹ ہیں۔ علامہ طحاوی جو استاد حارثی کے معاصر اور مسلک امام کی تائید میں شرح معانی الآثار لکھی ہے، اس میں وہ امام صاحب سے تقریباً پانچ مرفوع روایات لاتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الأبصار!

مسند ابی حنیفہ اور موضوع احادیث:

کہنے کو تو علامہ قاسمی صاحب نے مسند کی احادیث کی تخریج کرنے میں بڑی جانفشانی دکھائی اور روایات کو شواہد و متابعات سے

مقبول بنانے کے لیے بڑی بے جگری کا ثبوت دیا۔ مجال ہے کہ امام ابوحنیفہ تک پہنچنے والی سند کے بارے میں کوئی رائے دی ہو۔ اور ان کے راویوں کا ”ذکر خیر“ کیا ہو۔ جب امام تک پہنچنے والی سند کذاب، وضاع، متروک اور مجہول راویوں پر مشتمل ہو تو ان کے سہارے امام صاحب کی مرویات کا شمار قطار کس درجہ کا ہو سکتا ہے؟

امام یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں: حدیث کو نہ دیکھو اس کی سند دیکھو۔ اگر سند صحیح ہے تو فیہا، ورنہ جب تک سند صحیح نہ ہو کسی حدیث سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ (الجامع للخطیب: ۱۰۲/۲)

مولانا ظفر احمد عثمانی نے خوارزمی کی جامع المسانید (۱۳۶/۱) سے ایک حدیث ”إنه كان صلى الله عليه وسلم يقبل نساءه في رمضان وما يجدد الوضوء.“ نقل کی ہے اور اس کے بارے میں فرمایا ہے:

”رجاله ثقات إلا أن سنده إلى أبي حنيفة فيه كلام.“ (إعلاء السنن: ۱۱۵/۱)

”اس کے راوی ثقہ ہیں مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تک کی سند میں کلام ہے۔“

علامہ خوارزمی نے یہ روایت استاذ حارثی کی اسی مسند سے نقل کی ہے۔ علامہ خوارزمی کی منقول سند حسب ذیل ہے:

”كتب إليّ أبو سعيد البصري النجيري ثنا هانئ بن منصور الجرجاني ثنا الحسن بن زياد ثنا أبو حنيفة.“ (مسند: ۲۱۸/۱)

مگر جامع المسانید میں سند مختلف ہے جو حسب ذیل ہے:

”عن أبي سعيد البصري عن الحارث عن علي بن منصور الجرجاني عن الحسن بن زياد عن أبي حنيفة.“

اولاً: یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ استاد حارثی نے مذکورہ بالا حدیث سے پہلے اسی سند سے حضرت ام سلمہ کی ایک اور حدیث ذکر

قدح نہیں ہوتا۔ اختلاف سند سے قطع نظر سند کا پہلا راوی ابوسعید البصری النخیری ہے جس کا نام اباء بن جعفر ہے، بعض نے ابان بن جعفر کہا ہے مگر صحیح اباء ہے۔
اباء بن جعفر:

یہ استاذ حارثی کا استاد ہے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ایک روز میں اس کی حالت معلوم کرنے کے لیے اس کے گھر گیا تو اس نے کچھ اشیاء مجھے دکھائیں جن کی اس نے امام ابوحنیفہ سے تخریج کی تھی..... میں نے دیکھا کہ اس نے تین سو سے زیادہ احادیث امام صاحب کے نام پر گھڑی ہیں جنہیں امام صاحب نے بالکل روایت نہیں کیا۔ اس کی روایات سے شغل رکھنا حلال نہیں۔ میں نے اسے کہا: اے ”شیخ!“ اللہ سے ڈرو اور رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ مت باندھو..... میں نے اس کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ ہمارے نوجوان اس کی کچھ احادیث سے شغل رکھتے ہیں۔“

(المجروحین: ۱/۸۵، میزان: ۱/۱۷)

حسن بن علی بن غلام الزہری کہتے ہیں: ”وہ احادیث گھڑتا تھا۔ وہ ایک نسخہ روایت کرتا جس میں اس نے ایک سو احادیث مجہول شیخ سے بیان کی تھیں اور خیال کرتا تھا کہ اس کا نام احمد بن سعید بن عمرو المطوعی ہے۔ اس میں مناکیر ہیں۔“ (لسان: ۲۷/۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ابو محمد حارثی نے مسند ابی حنیفہ میں اس سے بہ کثرت احادیث لی ہیں۔ علامہ عراقی نے ذیل المیزان (ص: ۴۹) میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے: ”حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ”الضعفاء الصغیر“ کے ذیل میں کہا ہے کہ وہ کذاب ہے۔“ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے المغنی (ص: ۶۰) اور دیوان الضعفاء (ص: ۸) میں بھی اسے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح علامہ برہان الدین حلبی نے الکشف الحثیث (ص: ۳۵) میں ذکر کر کے اسے

کی ہے جس کے الفاظ ہیں:

”کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج إلی الفجر ورأسه یقطر من جماع غیر احتلام ویظل صائماً.“ (مسند: ۱/۲۱۸، رقم: ۱۸۵)

یہی حدیث علامہ خوارزمی نے نقل کی ہے مگر اس کی سند یوں ہے:

”عن أبي سعيد البصري البخاري عن علي بن منصور الجرجاني عن الحسن بن زياد عن أبي حنيفة.“ (جامع المسانید: ۱/۴۸۰)

غور فرمائیے! سند دونوں کی استاد حارثی کے ہاں ایک ہے مگر علامہ خوارزمی نے پہلی سند میں ”الحارث عن علي بن منصور“ کہا اور دوسری میں ”الحارث“ بھی نہیں۔ علامہ قاسمی صاحب کے پیش نظر جامع المسانید تھی۔ کاش وہ مسند کی تحقیق میں جامع المسانید میں موجود استاذ حارثی کی اسانید سے تقابل ہی کر لیتے! بلاشبہ جامع المسانید کی اسانید میں بڑی گڑبڑ ہے اور اس کا کوئی صحیح نسخہ زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا مگر استاذ حارثی کی مسند جن نسخوں کی تحقیق سے شائع ہوئی ہے ان میں سب سے قدیم نسخہ ۶۰۴ھ کا مکتوبہ ہے، دوسرا ۶۳۶ھ کا، تیسرا ۷۳۳ھ کا اور دیگر نسخے بھی اس کے بعد کے ہیں۔ علامہ خوارزمی ۶۶۵ھ میں فوت ہوئے۔ گویا مسند حارثی کے نسخے علامہ خوارزمی کے دور کے ہیں یا ان سے کچھ بعد کے دور کے، اس لیے بہ ظاہر یہ فیصلہ مشکل ہے کہ استاذ حارثی کے مطبوعہ نسخے میں وارد شدہ اسانید کا اعتبار کیا جائے یا علامہ خوارزمی نے حارثی سے جو اسانید ذکر کی ہیں ان کا اعتبار کیا جائے۔

ثانیاً: مولانا عثمانی نے اس حدیث کی سند کے بارے میں عدم اعتماد کا اظہار فرمایا ہے۔ اس لیے مسند میں امام صاحب سے پہلے کی اسانید جب قابل اعتماد نہ ہوں تو ان پر اعتماد کون سی خدمت ہے؟

ثالثاً: افسوس ہے مولانا عثمانی نے اس سند کے بارے میں صرف یہ فرمایا کہ ”فیہ کلام“ اس میں کلام ہے۔“ کیونکہ ہر کلام باعث

وضاعین میں شمار کیا ہے۔

باقی سند سے صرف نظر بھی کر لیا جائے، تاہم اباء بن جعفر جیسے وضاع کی بنا پر اس روایت کی پوزیشن واضح ہو جاتی ہے۔ مگر اس کے باوجود مولانا عثمانی بڑی سادگی سے فرماتے ہیں کہ اس میں کلام ہے اور ”وإنما ذکرته تأییداً“ ”میں نے اسے تائیداً ذکر کیا ہے۔“ کیا وضاع اور کذاب کی روایت تائیداً قابل قبول ہے؟

مولانا عثمانی کی اس وضاحت سے کم از کم یہ تو واضح ہو جاتا ہے کہ مسند الامام ابی حنیفہ میں مروی روایات کی اسانید کو دیکھنا چاہیے کہ وہ امام صاحب تک قابل اعتبار سند سے پہنچ پاتی ہیں یا نہیں۔ علامہ قاسمی صاحب نے اس پر تو چنداں توجہ نہیں دی۔ وہ عموماً ان روایات کی مؤیدات و شواہد پر اکتفا کرتے ہیں، حالانکہ جو وضاع اور کذاب جھوٹا متن بناتا ہے اس سے صحیح متن کے لیے سند بنا لینا بعید کیونکر ہے؟ اسی اباء بن جعفر نے ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ بنائی:

”الوتر أول الليل مسخطة للشيطان وأكل السحور مرصاة للرحمن.“

(مسند الحارثی، رقم: ۲۷۳)
یہ روایت امام ابن حبان رحمہ اللہ نے المجروحین (۱۸۳/۱) میں، علامہ ابن جوزی نے الموضوعات (۱۰۱/۲) میں، علامہ سیوطی نے اللآلی (۲۳/۲) میں، علامہ ابن عراق نے تنزیہ الشریعہ (۸۰/۲) میں ذکر کی ہے اور اسے موضوع قرار دیا ہے، نیز دیکھیے: میزان (۱۷/۱)، لسان (۲۷/۱)

علامہ خوارزمی نے جامع المسانید (۳۰۳/۱) میں ذکر کیا ہے، اباء بن جعفر کا مسند میں استاد ابو جعفر محمد بن اسماعیل بن سالم مولیٰ بنی ہاشم ہے۔ مگر جامع المسانید میں ابو جعفر محمد بن اسماعیل بن سالم مولیٰ بنی ہاشم ہے۔

علامہ قاسمی صاحب نے بھی علامہ ابن جوزی سے اس کا من گھڑت ہونا نقل کیا ہے مگر اس کے ساتھ یہ کارروائی بھی دکھائی کہ اس

کے شواہد حضرت علی، ابو ہریرہ، رافع بن خدیج، جابر بن عبداللہ، انس اور ابوسعید کی احادیث ہیں۔ مگر کیا اباء بن جعفر نے جس سند سے متن کے جو الفاظ ذکر کیے ہیں، ان شواہد سے اس کا موضوع نہ ہونا ثابت ہو جاتا ہے؟

بلکہ استاذ حارثی نے امام ابو حنیفہ کی ”عبداللہ بن دینار عن ابن عمر“ سے مروی تمام روایات اسی اباء بن جعفر سے روایت کی ہیں، ملاحظہ ہوں ارقام: ۲۷۲-۲۸۵۔ ان چودہ روایات میں روایت نمبر ۲۷۳ وہ روایت ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ اسی تناظر میں باقی کا فیصلہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

انہی روایات میں ایک روایت ۲۸۳ نمبر حضرت عبداللہ بن عمر سے یہ بھی ہے جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

”رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يمسح على الخفين في السفر ولم يوقت.“

اب یہ روایت بھی اباء بن جعفر کی وجہ سے موضوع ہی ہے۔ علامہ خوارزمی نے بھی اسے جامع المسانید (۲۸/۱) میں ذکر کیا ہے۔ علامہ قاسمی صاحب اس موضوع حدیث کا کوئی اور ماخذ تو ذکر نہیں کر پائے، البتہ دارقطنی (۱۹۶/۱)، بیہقی (۲۸۰/۱) اور عبدالرزاق (۸۰۴) سے نقل کیا ہے کہ نافع عبداللہ بن عمر سے موقوفاً یہی بیان کرتے ہیں کہ خفین پر مسح کا کوئی وقت معین نہیں مگر اس امر کی نقاب کشائی سے گریز کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر سے مرفوعاً بیان کرنے کی کارستانی کس کی ہے؟ یہ ہے اسلوب تحریج علامہ قاسمی کا!

اباء کی اسی ”أبو حنیفہ عن عبداللہ بن دینار عن ابن عمر“ سند سے یہ روایت بھی دیکھیے:

”إن الله جعل الشفاء في أربعة: الحبة السوداء، والحجامة والعسل، وماء السماء.“ (مسند الحارثی: ۲۸۳)

علامہ خوارزمی نے بھی اسے جامع المسانید (۱۸۹/۱) میں ذکر کیا ہے مگر اس اسلوب بیان میں اس روایت کا کوئی شاہد نہیں بلکہ ”ماء

یدخل الحمام إلا بمئزر، ومن لم یستر عورتہ
من الناس کان فی لعنة اللہ والملائکة والخلق
أجمعین۔“ (مسند، رقم: ۶۵)

علامہ قاسمی نے اس کی تخریج میں یہ وضاحت کی ہے کہ متعدد
طرق سے اس روایت کا پہلا حصہ ”ابوالزبیر عن جابر“ کی سند سے
منقول ہے اور ”طاؤس عن جابر“ کے واسطے سے بھی یہ مروی ہے مگر
دوسرا حصہ نہیں۔ یہی دوسرا حصہ ”من لم یستر إلخ“ علامہ
خوارزمی نے جامع المسانید (۳۵۰/۱) میں ذکر کیا ہے۔ یہ حصہ بلاشبہ
اسی غیر صالح ”صالح“ کی کارستانی معلوم ہوتا ہے۔ اس کی باقی
روایات کے لیے دیکھیے ارقام: ۱۴، ۳۰، ۷۰، ۷۱، ۱۱۵، ۱۲۸، ۱۲۹،
۱۳۹، ۱۷۸، ۲۰۶، ۲۱۵، ۲۲۶، ۲۶۵، ۲۶۷۔



رشتوں کا بندھن اخلاص کے ساتھ

30 سالہ جٹ ڈاکٹر نامکمل داڑھی۔ 26 سالہ کشمیری بٹ
ڈاکٹر باشرع۔ 31 سالہ حافظ ACCA لڑکا باشرع۔ 26
سالہ B.Com لڑکا مغل۔ 29 سالہ کمپیوٹر سائنس BS لڑکا
راچیپوت۔ 26 سالہ BA لڑکا راجپوت۔ 28 سالہ
(B.Com نامکمل) لڑکا شیخ۔ 26 سالہ انگلش لیکچرار مغل
لڑکی۔ 26 سالہ ٹیچر M.A, Bed لڑکی۔ 40 سالہ F.A
پوش ایریا خاتون۔ 35 سالہ دوسری شادی شیخ لڑکا۔ 25 سالہ
F.A سلیقہ مند لڑکی فیصل آباد۔
معزز والدین سنجیدہ رشتوں کے لیے۔ پہلی، دوسری
شادی کے لیے رابطہ کریں۔

ملک فخر

0300-4466705- 0321-7290929

السماء“ کا ذکر بطور شافی کسی مرفوع روایت میں نہیں۔ علامہ
قاسمی صاحب بھی اس بارے میں کوئی مرفوع شاہد ذکر کرنے
سے قاصر رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک تو یہ کارستانی بھی اسی اباء
بن جعفر کی ہے۔

مسند الامام کی ابتدائی تین سو روایات میں ان کے علاوہ حدیث
نمبر ۱۱۹، ۱۲۶، ۱۳۳، ۲۳۲، ۲۳۳ بھی اسی اباء بن جعفر سے منقول ہیں۔
یوں گویا تین سو روایات میں انیس روایات اباء بن جعفر کی ہیں۔
صالح بن احمد بن ابی مقاتل القیراطی البغدادی:

یہ بھی استاذ حارثی کا ایک اور استاد ہے۔ جس کے بارے میں
امام دارقطنی نے کہا ہے: ”متروک، کذاب، دجال“، ابن عدی
کہتے ہیں: ”یسرق الحدیث“، برقانی کہتے ہیں: ”ذاہب
الحدیث۔“ خطیب کہتے ہیں: اس کو ”حافظ کی وجہ“ سے یاد کیا
جاتا تھا مگر وہ بہ کثرت مناکیر بیان کرتا ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں:
”یسرق الحدیث“، اس نے دس ہزار احادیث کو ادا بدل کر دیا
ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں: وہ ”سارق الحدیث“ ہے۔ جن شیوخ کو
اس نے نہیں دیکھا تھا ان کی احادیث ان شیوخ سے ملا دیتا جنہیں
دیکھا ہوتا تھا۔ موقوف کو مرفوع، اور مرسل کو متصل بنا دیتا اور اسانید
میں اضافہ کرتا تھا۔ اس کا معاملہ واضح ہے۔ (لسان: ۱۶۴/۳،
۱۶۵، تاریخ بغداد: ۳۲۹/۹، الکامل: ۳۹۰/۴،
المجروحین: ۳۷۳/۱، میزان: ۲۸۷/۲، کشف الحثیث،
ص: ۲۰۷ وغیرہ)

اسی صالح قیراطی کے انھی ”اوصاف“ کا اعتراف علامہ کوثری
نے تانیب الخطیب (ص: ۱۵۶) میں کیا ہے۔ گوانھوں نے اپنی روایتی
روش کے تحت حافظ صالح بن احمد کو ”القیراطی“ بنانے کی کوشش کی
ہے۔ صالح بن احمد سے استاذ حارثی نے ابتدائی تین سو احادیث میں
سولہ روایات روایت کی ہیں۔ انھی میں سے ایک روایت بایں الفاظ
منقول ہے:

”لا یحل لرجل یؤمن باللہ والیوم الآخر أن

المملكة العربية السعودية کے سابق ولی عہد و وزیر دفاع

الامیر سلطان بن عبدالعزیز آل سعود (رحمۃ اللہ علیہ)

محمد سلیم چنیوٹی

<p>سعود رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی معاونت کی۔</p> <p>بعد ازاں امیر سلطان کو ان کے والد نے محکمہ زراعت کی وزارت کا قلم دان بھی سونپ دیا۔ ان کے دور میں زراعت نے بڑی ترقی کی اور پھل، سبزیاں ملکی سطح پر دستیاب ہونا شروع ہو گئیں۔</p> <p>۱۹۵۵ء میں سلطان بن عبدالعزیز آل سعود کو مواصلات کی وزارت دی گئی۔ جدید قسم کا ایک طاقتور ٹاؤن اسی دور میں نصب ہوا۔</p> <p>۱۹۶۲ء کو امیر سلطان بن عبدالعزیز آل سعود مملکت کے وزیر دفاع مقرر ہو گئے۔ اسی طرح اپنے بھائی ملک فہد بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی مشیر بھی رہے۔ ملک فہد بن عبدالعزیز آل سعود رحمۃ اللہ علیہ نے امیر سلطان بن عبدالعزیز کی فہم و فراست سے متاثر ہو کر انھیں مجلس الوزراء کا نائب امیر بنادیا۔</p> <p>۲۰۰۵ء کو ملک فہد بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد جب ملک عبداللہ بن عبدالعزیز سریر آرائے سلطنت ہوئے تو ملک عبداللہ بن عبدالعزیز نے امیر سلطان بن عبدالعزیز کو المملکت العربیۃ السعودیۃ کا ولی عہد مقرر کیا اور یہ مجلس الوزراء کے امیر یعنی وزیر اعظم سعودی عرب بھی مقرر کر دیے گئے۔</p> <p>امیر سلطان بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک دلِ درد مند رکھنے والی شخصیت تھے۔ وہ عالمی سیاست کو خوب سمجھنے والے، ملت اسلامیہ سے خاص محبت رکھنے والے اور عالمی سیاست میں امت مسلمہ کا مؤقف بیان کرنے کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ پاکستان کے ساتھ انھیں بڑا انس تھا۔ وہ پاکستان کے بڑے خیر خواہ اور ہمدرد تھے۔ سعودی عوام</p>	<p>الامیر سلطان بن عبدالعزیز آل سعود رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۲۸ء کو ریاض سعودی عرب میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ملک عبدالعزیز آل سعود رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی پرورش خصوصی انداز سے اس طرح کی کہ گھر کے دوسرے افراد کی بہ نسبت انھیں والد کی شفقت اور محبت زیادہ ملی تھی۔ سلطان بن عبدالعزیز کی تربیت اور تعلیم پر ان کے والد نے خاص توجہ دی اور انھیں دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن کریم اور دینی تعلیم سے بھی آراستہ کیا اور علمائے وقت سے انھیں تعلیم دلوائی۔</p> <p>یہ والد محترم ہی کی تعلیم کا اثر تھا کہ صحیح تعلیم و تربیت ہونے کی وجہ سے ان کی علمی مہارت اور سیاسی سوجھ بوجھ میں اضافہ ہوا۔ جلد ہی وہ عملی زندگی میں مصروف ہوئے اور سعودی عرب کے سیاسی و حکومتی امور میں متحرک ہو گئے۔ المملکت العربیۃ السعودیۃ کے وفود جب بیرون ملک بین الاقوامی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں شرکت کی غرض سے جاتے تھے تو سلطان بن عبدالعزیز آل سعود کو بھی وفد میں شامل رکھا جاتا تھا۔ اس طرح بین الاقوامی سیاست کی باریکیوں سے بھی یہ آشنا ہوئے۔ اسی طرح ان کا تجربہ بڑھتا رہا۔</p> <p>امیر سلطان بن عبدالعزیز آل سعود کی سیاسی سوجھ بوجھ بڑھنا شروع ہوئی تو ۱۹۴۷ء میں ان کے والد ملک عبدالعزیز آل سعود رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں ریاض کا گورنر بنایا۔ انھوں نے اپنے دورِ گورنری میں شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلے کیے۔</p> <p>۱۹۵۳ء میں سعودی عرب میں جب ایک عدالت کا نظام وضع کرنے کا فیصلہ ہوا تو امیر سلطان نے اپنے والد ملک عبدالعزیز آل</p>
-----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	---------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

تتخو اہوں میں ایک خاطر خواہ اضافہ اور بے شمار سہولتیں بھی افواج کو میسر آئیں۔

انھیں مملکت خداداد پاکستان سے بڑی محبت تھی۔ اہل پاکستان کے دکھ درد اور آسمانی آفتوں کے باعث آنے والی تکالیف پر انھیں بڑی پریشانی ہوتی تھی وہ اہل پاکستان کے لیے بھرپور مدد و اعانت پیش فرماتے تھے۔

شہید پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق رحمۃ اللہ علیہ کے دور حکومت میں پاکستانی فوج کے ساتھ ایک معاہدہ امیر سلطان ہی کے عہد وزارتِ دفاع میں ہوا۔ جس کے تحت پاکستانی آرمی اپنے اسلامی بھائیوں یعنی سعودی افواج کو ٹریننگ دینے میں مشغول رہیں۔ سلطان بن عبدالعزیز سعودی فوجیوں میں بڑے مقبول اور احترام کی نگاہوں سے دیکھتے جاتے تھے۔ مرحوم کے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ رہتی تھی۔ انھوں نے سعودی ایئر لائن کو جدید طرز سے مزین کیا کیونکہ کہ شہری ہوا بازی کا شعبہ بھی ان کے تحت تھا۔

سعودی عرب ایئر لائن ۱۹۴۵ء میں سرگرم ہوئی۔ آغاز میں ۳ طیارے اسے ملے تھے، جدہ سے ظہران تک فلائٹ کا آغاز ہوا تھا۔ شروع میں پاکستانی پائلٹ سعودی مسافر طیارے اڑاتے تھے، کراچی میں ایک ادارہ سعودی پائلٹوں کی تربیت کے لیے قائم ہوا تو پیشتر سعودی اس سے مستفید ہوئے۔ آج سعودی عرب ایئر لائن دنیا کے چھتر ایئر پورٹوں پر اترتی ہے۔ کم و بیش ۲۰ ملین مسافر ہر سال سعودی ایئر لائن کے ذریعے سفر کرتے ہیں۔ سعودی ایئر لائن ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ دنیا بھر سے حجاج کرام کی سب سے زیادہ تعداد کو سعودیہ لے کر آتی ہے۔

سعودی حکمرانوں میں قرآن کریم سے محبت ایک مثالی سطح کی کہی جائے تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ شاہ فہد قرآن کمپلیکس عالمی سطح پر بے انتہا خدمات انجام دے چکا اور مزید خدمات انجام دے رہا ہے۔ شہزادہ

وخواص انھیں بڑی محبت اور احترام دیتے تھے۔ انھوں نے صدقہ جاریہ کے طور پر بے شمار ایسے منصوبے اور اعمال خیر کیے ہیں کہ انھیں ان کا اجر ہمیشہ ملتا رہے گا۔

آل سعود کی حکومت کی بنیادیں نجد کے علاقے درعیہ سے اٹھائی گئیں۔ شاہ عبدالعزیز آل سعود رحمۃ اللہ علیہ کی ولولہ انگیز قیادت اور سعودی عرب کے دیگر قبائل کا تعاون انھیں ہمیشہ حاصل رہا۔ ملک میں امن و امان کا قیام، لڑائی و جھگڑے ختم کرنے کی کوششیں اور اخوت و محبت باہمی ان کی یادگاریں رہیں۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام اولاد کے لیے علمائے کرام کو تعلیم کی خاطر رکھا ہوا تھا۔ یہ علماء تمام بچوں کو قرآن کریم، عقیدہ توحید و سنت، حدیث شریف، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عربی میں فصاحت و بلاغت کے علاوہ دیگر علوم پر دسترس سکھاتے تھے۔ دینی علوم اور مذہبی تعلیم میں مہارت کی بدولت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تمام اولاد میں اعلیٰ اخلاق، ہمدردی اور عوام کی خیر خواہی جیسی صفات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہیں۔

مذکورہ تمام صفات امیر سلطان بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ میں بھی موجود تھیں۔ اسی لیے ان کے والد رحمۃ اللہ علیہ نے شعور کو پہنچتے ہی مختلف ذمہ داریاں ان کے کندھوں پر ڈالنا شروع کر دی تھیں۔ شاہ مرحوم اندرون ملک سفر کے دوران انھیں ہمراہ رکھتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد امیر سلطان بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے بڑے بھائی شاہ فیصل بن عبدالعزیز کی صورت میں بڑا مدبر اور اسلامی حمیت و غیرت سے بھرپور صلاحیتوں والا خیر خواہ رہنما میسر آیا۔

مرحوم سلطان بن عبدالعزیز اپنے بھائیوں کے ہمراہ سیاسی و سماجی خدمات کے حوالے سے ہمیشہ عوام الناس کے قریب رہے۔ وزیر دفاع کا قلم دان جب سلطان بن عبدالعزیز کے ہاتھوں آیا تو انھوں نے سعودی افواج کو جدید خطوط پر استوار کیا۔ جدید ترین اسلحے اور فوجی ساز و سامان سے فوج کو لیس کیا۔ سعودی افواج اور افسران کی

سالانہ سیرت النبی ﷺ کانفرنس

دارالحدیث اوکاڑا کی ۵۲ ویں سالانہ سیرت النبی ﷺ کانفرنس (تقسیم اسناد) ۲۸ نومبر ۲۰۱۱ء بروز سوموار بعد نماز عشاء منعقد ہوگی۔

مولانا قاری محمد حنیف ربانی، مولانا عبدالعلیم یزدانی، مولانا پروفیسر عبدالرزاق ساجد، حافظ عبدالرؤف یزدانی و دیگر خطاب کریں گے۔ ان شاء اللہ

عبداللہ یوسف

ناظم دارالحدیث ساہیوال روڈ۔ اوکاڑا

فون نمبر: 0312-4403137 - 044-2521460

دینی و دنیاوی تعلیم کا حسین امتزاج

تعصب و منافرت سے بالاتر پاکیزہ ماحول میں نونہالان قوم کی تعلیم و تربیت کا اعلیٰ انتظام، تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ تکمیل مسجد و مدرسہ کا کام بھی جاری ہے۔

مرکز حسین ابن علی الاسلامی

جام پور روڈ۔ ڈیرہ غازی خان

اس کے علاوہ جامع مسجد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی تعمیر جاری ہے۔ مدرسہ کے اساتذہ و طلباء کے اخراجات و تنخواہوں کے سلسلے میں مختیر احباب خود تشریف لا کر جائزہ لے سکتے ہیں۔ ہم آپ کے تعاون کے منتظر رہیں گے۔ اکاؤنٹ نمبر 4356/6، مسلم کمرشل بینک جام پور روڈ پانچ گاہ

برانچ کوڈ: 0847

پانی و مہتمم: محمد حامد اللہ چنگوانی۔ فون 0333-2641212

ناظم مدرسہ: (مولانا) محمد زکریا خاں چنگوانی۔ 0333-8578724

سلطان بن عبدالعزیز بین الاقوامی ایوارڈ برائے حفظ القرآن الکریم کا شمار سعودی عرب کے اہم انعامات میں ہوتا ہے۔ اس ایوارڈ کو ۱۰ سال قبل سعودی حکومت نے جاری کیا تھا۔ یہ ایوارڈ قرآن کریم کو حفظ کرنے اور قرآن کریم کی تفسیر میں مہارت رکھنے والے مسلم و عرب ممالک کے فوجیوں کو دیا جاتا ہے۔

سلطان بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے بے شمار خیراتی منصوبے شروع کیے تھے۔ ان منصوبوں میں ایک کا نام ”موسسۃ سلطان بن عبدالعزیز آل سعود الخیریہ“ بھی ہے۔

اس ادارے کی خدمات کا سلسلہ وسیع ہے۔ شعبہ تعلیم سے لے کر یتیمی، مساکین، بیوگان کی سرپرستی اور فلاحی و اصلاحی تنظیموں کی سرپرستی اس میں شامل ہے۔ اسی طرح طب کے شعبے میں بھی ان کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

سلطان بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی زندگی روشن کارناموں سے بھری پڑی ہے، جن کا احاطہ کرنا بڑا مشکل ہے۔ آج ہر سعودی سلطان مرحوم کے لیے نیک جذبات رکھتا اور ان کے اخلاق کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔

کچھ عرصے سے سلطان بن عبدالعزیز کینسر جیسے مرض میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اندرون و بیرون ملک علاج ہوتا رہا۔ آخری لمحوں میں بغرض علاج امریکہ کے ہسپتال میں شفٹ ہو گئے۔ جہاں وقت موعود آنے پر ۲۴ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ بمطابق ۲۲ اکتوبر ۲۰۱۱ء کو وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کی وفات پر سعودی عوام اور سعودیہ میں مقیم سخت صدمے سے ہم کنار ہوئے ہیں۔ اسی طرح اہل پاکستان کو بھی ان کی وفات کا غم ہے۔ حکومت پاکستان نے بھی قومی سطح پر تین دن سوگ کا اعلان کیا اور پاکستانی پرچم ان دنوں سرنگوں رہا۔



زندگی عمل سے تعبیر ہے

مولانا قاضی عبدالرحیم

علم و عمل اور اُن کا صحیح صحیح استعمال:

انجام دیا جائے تاکہ اس سے یقینی فائدہ حاصل ہو اور اس پر محنت کے ضائع ہونے یا اس سے تکلیف پہنچنے کا احتمال باقی نہ رہے۔ ہم دن رات دیکھتے ہیں کہ بعض دفعہ ایک آدمی کسی مفید چیز یا کام کو نامناسب طریق پر اختیار کرتا ہے تو وہ اس کے لیے بجائے مفید ہونے کے مضر ہو جاتا ہے، خواہ وہ چیز یا کام طبعی اور فطری ہی ہو۔

اس سے ظاہر ہوا کہ انسان کی پیدائش سے اصل مقصد اور اس کے نفع و نقصان یا تکلیف و آرام کا حقیقی مدار اس کی محنت اور کام ہے، نہ کہ اس کا جاننا۔ اور یہ جاننا صرف اس کام کی درستی اور اصلاح کے لیے مطلوب ہے۔ اگر کوئی شخص کسی چیز یا کام کے نفع و نقصان اور اس کے طریق استعمال کو مکمل طور پر جانتا ہو لیکن مفید کو اختیار یا مضر سے کنارہ کشی نہ کرے تو اس کا انجام سوائے خسارے کے کچھ نہ ہوگا۔ فطرت انسانی، عقل سلیم اور شریعت اسلامیہ سب کا یہی منفقہ فیصلہ ہے۔

انسانی فطرت کے اسی احساس کا تقاضا ہے کہ ہر کاشتکار، ہر مزدور اور ہر دستکار اپنے نفع و نقصان کو مد نظر رکھتے ہوئے صبح سے شام تک محنت اور کوشش میں مصروف رہتا ہے۔ اور اپنے کام میں اپنے اور دوسرے ہم پیشہ اشخاص کے علم اور تجربوں سے فائدہ اٹھاتا اور مستقبل کو درست کرتا ہے۔ عقل سلیم مذکورہ بالا نظریوں میں سے کسی نظریہ کو جھٹلا نہیں سکتی۔

منشائے تخلیق:

شریعت اسلامیہ اس پر مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالتی ہے۔
اول: پیدائش انسان کی غرض و غایت، قرآن کریم کی سورہ ہود کی

علم کے معنی ہیں جاننا۔ کیا جاننا؟ یہ جاننا کہ انسان کے لیے کون سی چیز یا کون سا کام مفید ہے یا کون سی چیز اور کون سا کام مضر ہے تاکہ انسان اپنے لیے نافع چیز اور مفید کام کو اختیار کرے اور تکلیف دینے والی چیز یا کام سے بچے۔

عمل کے معنی ہیں کام، یعنی اس چیز یا کام کو جو اپنے لیے مفید معلوم ہو، اختیار کر لینا۔ اور جو چیز یا کام نقصان دہ ہو اُسے چھوڑ دینا۔ یعنی کر لینا اور چھوڑ دینا دونوں کام ہیں۔ اور اس چیز یا کام کے فائدے اور نقصان کو جان لینا علم ہے۔

اگر ایک آدمی جانتا ہو کہ فلاں کام یا فلاں چیز میرے لیے نہایت مفید ہے لیکن وہ آدمی اس چیز یا کام کو اختیار نہ کرے تو اُسے یہ جاننا کوئی فائدہ نہ دے گا بلکہ بعد میں جب اس کام یا چیز سے فائدہ حاصل ہونے کا وقت آئے گا تو اُسے پچھتانا پڑے گا اور ممکن ہے دوسرے بھی اُسے اس کام یا چیز کے چھوڑ دینے پر ملامت کریں۔ ایسے ہی اگر کوئی شخص یہ جانتا ہو کہ فلاں چیز اور فلاں کام میرے لیے تکلیف دہ ہے اور پھر وہ اس چیز یا کام کو اختیار کر لے تو وہ ضرور تکلیف اٹھائے گا۔ اور یہ جاننا اُس کے کسی کام نہ آئے گا بلکہ خود اس کا ضمیر اور دوسرے سب لوگ اُسے ملامت کریں گے کہ جب تم اس کے نقصان اور تکلیف کو جانتے تھے تو تم نے اُسے کیوں اختیار کیا؟

ہر کام اور ہر چیز کے متعلق ایک اور بات کا جاننا بھی ضروری ہے، وہ یہ کہ اس چیز کو کس طرح استعمال کیا جائے یا اس کام کو کس طریق پر

آیت اس کی دلیل ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۖ﴾

[ہود: ۷]

”اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا۔

اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ تاکہ تمہیں آزمائے، تم میں سے

کون اچھے کام کرتا ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ ساتوں آسمان اور زمین یعنی یہ عالم دنیا اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ انسان کی آزمائش کی جائے کہ کون اچھے کام کرتا ہے اور کون برے کام کرتا ہے۔

سورہ ملک میں فرمایا:

﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۖ﴾ [الملك: ۲]

”اللہ وہ ہے جس نے موت اور زندگی پیدا کی تاکہ تمہیں

آزمائے کہ تم میں سے کون شخص اچھے کام کرتا ہے۔“

سورہ ذاریات میں ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾

[الذاریات: ۵۶]

”میں نے جن اور انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ

میری عبادت کریں۔“

عبادت کیا ہے؟ اپنے مالک کے ہر حکم کی بے چون و چرا اور بلا حیل و حجت اپنا فرض سمجھ کر بخوشی تعمیل کرنا۔ یہ تعمیل مختلف کاموں کی تکمیل اور انجام دہی کا دوسرا نام ہے۔

سورہ دھر میں ہے:

﴿إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ ۖ ثُمَّ نَبْتَلِيهِ فَعَلَّلْنَاهُ سَبْعًا بَصِيرًا﴾ [الدھر: ۲]

”ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا جس کے

اجزاء میں مختلف اعضاء بننے کی استعداد اور قسم قسم کی قوتیں موجود ہیں تاکہ ہم اُسے آزمائیں، پھر ہم نے اُسے دیکھتا، سنتا بنادیا۔“

نطفے کے بعض اجزاء سے آنکھیں بنتی ہیں، ان میں بینائی کی قوت

رکھ دی۔ بعض اجزاء سے کان بنتے ہیں، ان میں سننے کی طاقت رکھ

دی۔ بعض سے ہڈیاں بنتی ہیں، ان سے بدن کو قوت اور مضبوطی

حاصل ہوتی ہے۔ بعض سے دماغ اور پٹھے بنتے ہیں، اُن میں غور و فکر

اور حس و حرکت کی قوتیں ہیں۔ بعض سے دل، شراکین اور وریدیں بنتی

ہیں، جن سے بدن میں خون کا دورہ نشوونما زندگی اور تروتازگی پیدا

ہوتی ہے اور ذلیل پانی کا ایک قطرہ جس کی حقیقت بہ ظاہر کچھ بھی

نہیں تھی، ایک دیکھتا سنتا انسان بن جاتا ہے۔ کیوں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے: ﴿نَبْتَلِيهِ﴾ ”تاکہ ہم اس کا امتحان کریں“ کہ وہ ان سے کیسے

کام لیتا ہے، اچھے یا برے؟

سورہ محمد میں جہاد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرْنَا مِنْهُمْ وَلَكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ بَعْضُكُمْ

بِبَعْضٍ ۖ﴾ [محمد: ۴]

”اگر اللہ چاہتا تو خود کفار سے بدلہ لے لیتا (تمہیں اُن

سے لڑنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔) لیکن اللہ تعالیٰ کی

مشیت یہ ہے کہ تمہیں ایک دوسرے سے آزمائے۔“

اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت

غیر مسلموں کو فنا اور نیست و نابود کرنا نہیں بلکہ ان کو دنیا میں قائم

رکھ کر ان کے مقابلے سے مسلمانوں کا امتحان کرنا ہے اور یہ دیکھنا

ہے کہ کیا مسلمان بھی ایسے ہی اپنے معبود کی رضا مندی میں خرچ

کرتے ہیں۔

کفار سے مقابلہ، جنگ، مال کا خرچ اور قربانی سب سے زیادہ

اہم کام ہے۔

یہ اور ان جیسی بے شمار آیات میں اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان،

تعبیر کیا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے کمال علم کا مظاہرہ فرمایا اور عملاً فرشتوں کو بتلادیا کہ ہم خود اس کو اچھے اور برے کام کا علم دیں گے۔ اور اس کی ہدایت و راہنمائی کے کفیل ہوں گے۔ اس سے ثابت ہے کہ زمین میں انسان کی خلافت بلحاظ اعمال ہے نہ کہ باعتبار علم۔ اور علم صرف اصلاح اعمال کے لیے مطلوب ہے، نہ کہ مقصود بالذات۔

تیسرا پہلو: انسان کے پیدا ہونے کے بعد اس کے دنیوی حالات پر نظر ڈالو۔ یہاں وہ اپنے کاموں کی اچھائی اور برائی کے لحاظ سے دو قسموں میں تقسیم نظر آتا ہے، سورہ دھر میں ہے:

﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا﴾

[الدھر: ۳]

”ہم نے اسے نیکی و بدی، نفع اور نقصان دونوں کی راہیں دکھا دی ہیں اور وہ یا تو شکر گزار ہے یا ناشکرا۔“
حقیقت شکر:

شکر کیا ہے؟ ہر چیز اور ہر کام کو مالک اور معطی کے حسب منشا استعمال کرنا شکر ہے۔ کام کے طفیل انسان یا مومن ہو گیا یا کافر، سورہ تغابن میں ہے:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ ط وَ

اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝﴾ [التغابن: ۲]

”اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مومن، اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے۔“
کفر اور ایمان دل کے کام ہیں، اور باقی کام اعضاء ظاہرہ کے۔ سب کو اللہ دیکھ رہا ہے۔ وہ دیکھتا تو سب کچھ ہے، پھر ان اعمال کی تخصیص کیوں؟ اس لیے کہ انسان کی ہستی کا پھل اور نتیجہ اس کے اعمال ہی ہیں۔ اور ہر چیز کا ثمرہ اور نتیجہ ہی ملحوظ رکھا جاتا ہے، سورہ کہف میں فرمایا:

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ

موت و حیات اور انسان کو مختلف اعضاء اور قوتوں سے پیدا کرنے کی تعلیم بتائی۔ دنیا میں انسان کے اچھے اور برے کاموں کی جانچ و پڑتال قرار دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی کام یا چیز کی علت نمائی یا اس سے غرض مطلوب فاعل کے علم، ارادہ اور مشیت میں اس کام یا چیز کے وجود سے پہلے ہی موجود ہوتی ہے، اور اسی غرض کے حاصل کرنے کے لیے پہلے وہ چیز یا کام بعد میں عالم وجود میں لایا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اس کے خالق اللہ تبارک و تعالیٰ کے علم، ارادہ اور مشیت میں یہی تھا کہ اس دنیا اور انسان کو پیدا کر کے اس میں انسان کے کاموں کا امتحان کیا جائے۔

دوسرا پہلو: آدم علیہ السلام کی پیدائش کے واقعہ پر غور کرو، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے ذکر فرمایا:

﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ط﴾ [البقرة: ۳۰]

”میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔“

تو فرشتوں نے عرض کی:

﴿أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ ج﴾

[البقرة: ۳۰]

”کیا زمین میں اُسے پیدا کرے گا جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا؟“

فرشتوں نے انسان کے برے کاموں کا ذکر کیا۔ معلوم ہوا کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں لفظ ”خلیفہ“ سے یہی سمجھا کہ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق اس کے ارادہ و مشیت کو جاری کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے افعال حمیدہ کو سرانجام دے گا۔ لیکن اس کے لیے کمال علم کی ضرورت ہے اور انسان جیسی مخلوق جس کی اصل مٹی سے ہے۔ انھوں نے کمال علم کا حصول بعید سمجھا۔ اس لیے تصور کر لیا کہ اس سے بوجہ جہالت افعال مذمومہ ہی صادر ہوں گے۔ ایسے اعمال کو فرشتوں نے بلحاظ نتائج فساد اور خون ریزی سے

شَاءَ فَلْيُكْفُرُوا ﴿﴾ [کھف: ۲۹]

”کہہ دو: یہ تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ جو چاہے مان لے اور جو چاہے نہ مانے۔“

یہ ماننا اور نہ ماننا دل کا کام ہے اور اس کے لوازم اور احکام دوسرے اعضاء کے کام ہیں۔

علاوہ ازیں قرآن کریم میں کہیں ایمان داروں کے اچھے کام اور خوبیاں ایک ایک کر کے تفصیل وار ذکر ہو رہے ہیں۔ کہیں کفار، مشرکین، یہود، نصاریٰ، منافق اور فاسق لوگوں کے اعمال بد اور صفات مذمومہ علیحدہ علیحدہ مفصل بیان ہو رہی ہیں۔ یہاں تک کہ اگر آپ قرآن کریم کو بہ نظر غور و تدبر پڑھیں تو جماعتیں اور گروہ تو بجائے خود اس میں ایک ایک شخص کے اعمال و افعال پر بحث نظر آئے گی۔ دنیا میں سب سے زیادہ مشکل اور اہم ترین کام جہاد اور غیر مسلموں سے لڑائی کے متعلق فرمایا:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجْتَهِدِينَ مِنْكُمْ وَ

الصَّابِرِينَ ۚ وَنَبْلُوا أَخْبَارَكُمْ﴾ [محمد: ۳۱]

”ہم ضرور ضرور تمہیں آزمائیں گے یہاں تک کہ تم میں سے مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو الگ کر دیں اور ہم تمہارے حالات کو پرکھیں گے۔“

آخرت میں کیا کام آئے گا:

چوتھا پہلو: دنیا سے انسان کے رخصت اور آخرت میں داخل ہونے کے بعد تو سوائے نیک و بد کام کے کوئی بھی چیز انسان کے ساتھ دکھائی نہیں دیتی۔ نہ علم، نہ عقل، نہ ہنر، نہ مال و دولت، نہ اولاد و اقارب اور نہ احباب وغیرہ۔ وہاں تو ایک ہی طے شدہ فیصلہ ہے:

﴿جَزَاءٌ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

یعنی دنیا میں جو کام کیا کرتے تھے، نیک یا بد، صرف ان کی جزا ہے۔

﴿ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ لِذِكِّ﴾ [الحج: ۱۰]

”یہ اس کا ثمرہ ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجا۔“

﴿وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾ [النجم: ۳۹]

”انسان کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے کمایا۔“

﴿وَأَن سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ﴾ [النجم: ۴۰]

”اس کی کوشش دیکھ لی جائے گی۔“

پانچواں پہلو: علم و عمل کا تقابل، اللہ تعالیٰ نے اس پہلو کو دو طریق سے بیان فرمایا ہے۔

اول علم کو ہر جگہ اپنی نعمت، احسان اور فضل شمار فرمایا۔ دوسرا عطا علم کو ہر جگہ اپنی طرف منسوب کیا۔

﴿عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ﴾ [النساء: ۱۱۳]

﴿الرَّحْمَنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝﴾ [الرحمن: ۱، ۲]

﴿عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمُ﴾ [العلق: ۵]

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ [البقرة: ۳۱]

﴿وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا﴾ [الكهف: ۶۵]

﴿وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ [طہ: ۱۱۴]

اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور احسان میں انسان کا بہت کم دخل ہے، اس لیے مجرد علم پر انسان کو کوئی ثواب یا عذاب نہیں۔ ہاں، اگر علم عمل کی صورت اختیار کرے، جیسے پڑھنا یا پڑھانا، یا علم کے ذریعے انسان اپنے اعمال میں اچھی یا بری تبدیلی پیدا کر لے تو وہ علم باعث ثواب یا عذاب بن جاتا ہے، اس لیے کہ عمل موجب ثواب یا عذاب ہے اور یہ علم اس عمل کے وجود یا اس کی اصلاح و فساد کا سبب بن گیا ہے، ورنہ بحیثیت مجرد علم کے اس کا کوئی اثر یا نتیجہ نہیں، فرمایا ہے:

﴿وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ﴾ [البلد: ۱۰]

”ہم نے انسان کو دونوں راستے بتلا دیے۔“

﴿الَّذِي آعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ﴾ [طہ: ۵۰]

”اللہ، جس نے ہر چیز کو اس کی فطرت عطا فرمائی، پھر اس کی راہنمائی کی۔“

یہ راہنمائی علم ہے۔

﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا﴾

[الدھر: ۳]

قرآن کریم اور توریت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی علم معلوم نہیں، توریت کے متعلق فرمایا:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ حُمِلُوا التَّوْرَةُ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْجَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ط﴾ [الجمعة: ۵]

”جن لوگوں کو تورات کا علم دیا گیا، پھر انھوں نے اس کے مطابق اپنے اعمال کو درست نہ کیا، ان کی حالت گدھے کی سی ہے جو کتابیں اٹھائے پھرتا ہے۔“

قرآن کریم کی نسبت فرمایا:

﴿يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا ۖ وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ط وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ﴾ [البقرة: ۲۶]

”اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اکثر کو گمراہ کر دیتا ہے اور اکثر کو ہدایت دے دیتا ہے اور گمراہ صرف نافرمانوں ہی کو کرتا ہے۔“

جو اپنے اعمال کو قرآن کی تعلیم کے مطابق درست نہیں کرتے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((القرآن حجة لك أو عليك))

”قرآن کریم تیرے حق میں دلیل ہوگا یا تیرے خلاف دلیل ہوگا۔“

قرآن کریم میں ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ط فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ط﴾ [آل عمران: ۷]

یعنی اللہ وہ ہے جس نے تم پر کتاب اتاری، کچھ حصہ اس کتاب کا محکم (فیصلہ شدہ) احکام ہیں، وہ کتاب کی اصل اور بنیاد ہیں۔ اور بعض متشابہ امور ہیں۔ جن لوگوں کے دلوں

میں ٹیڑھا پن ہے وہ متشابہ باتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں جن باتوں کا عمل سے تعلق نہیں۔ یہ لوگ ان باتوں میں بحث و تنازعہ اور فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور احکام کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ تاکہ امر و نہی کی پابندی سے اپنے کام درست کریں۔

فرمایا: ان کے دل ٹیڑھے ہیں، اس لیے ان کو قرآن سے کوئی فائدہ نہیں۔

یہود کی نسبت فرمایا:

﴿وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۖ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ط فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ [البقرة: ۸۹]

”جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کتاب (قرآن) آئی جو اس کتاب کی مصدق ہے جو پہلے سے ان کے پاس ہے (یعنی تورات) حالانکہ اس سے پہلے (اسی کتاب قرآن) کے ذریعے کفار پر فتح کی دعائیں کیا کرتے تھے۔ جب ان کے پاس وہ کتاب آگئی جس کو انھوں نے پہچان لیا تو اس سے منکر ہو گئے اور منکروں پر اللہ کی لعنت ہے۔“

یہود اللہ تعالیٰ سے قرآن کریم اور رسول کریم کے لیے دعا کیا کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کر لی۔ قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ آ گئے اور یہود نے ان کو ٹھیک ٹھیک پہچان لیا تو ان کو ماننے اور ان کی تابع داری کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس انکار کی وجہ سے یہود پر لعنت کی۔ اور یہود کو تورات، قرآن کریم اور رسول کریم کی معرفت اور علم نے کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ یہ علم کفر کی بدولت الٹا لعنت کا سبب بنا۔

علم کے برعکس اللہ تعالیٰ نے عمل کو ہر جگہ انسان کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور کسی ایک جگہ بھی اپنی طرف اس کی نسبت نہیں کی، نہ کہیں انسانی اعمال کو اپنا فضل، نعمت اور احسان قرار دیا ہے بلکہ انسان کو ان

کے اختیار یا ترک پر مختار تسلیم کرتے ہوئے اس کے ارتکاب یا ترک کو موجب ثواب و عقاب مقرر کیا ہے، فرمایا:

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۖ وَمَنْ يَعْمَلْ

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۖ﴾ [الزلزال: ۸، ۷]

”جو شخص ذرہ بھرنیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جو ذرہ بھربرائی کرے گا وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔“

علم ذریعہ ہے مقصود نہیں:

الغرض، آپ جس پہلو سے بھی دیکھیں، بلحاظ مقصد و مطلوب از انسان عمل یعنی کام کا درجہ اول، اہم اور اقدم نظر آئے گا اور علم کا مرتبہ ذرائع اور وسایط کا اور چونکہ وسایط وجوداً مقاصد پر مقدم ہوا کرتے ہیں۔ اس لیے علم وجوداً عمل اور کام پر مقدم ہے۔ اس تقدم وجودی کو غلطی سے تقدم فی المرتبہ سمجھ لیا گیا۔

ان حالات میں کتنے رنج اور افسوس کا مقام ہے کہ خیر القرون کے بعد مسلمان ذریعے اور واسطے میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔ علم کی تحصیل و اشاعت میں تعلیم، تصنیف، وعظ، تقریر اور تحریر ہر پہلو سے خدمت کی جارہی ہے۔ اس کے لیے اوقاف ہیں، انجمنیں ہیں، جماعتیں ہیں، ادارے ہیں، مدارس ہیں، اور مکاتب ہیں، اسکول، کالج، یونیورسٹیاں اور شاہی عطیے، سرمائے اور چندے ہیں۔ لیکن عمل یعنی کام کے سیکھنے، سکھانے، پھیلانے اور اس پر ترغیب دینے دلانے کی طرف کوئی توجہ نہیں۔ اس کے لیے نہ کوئی جماعت ہے، نہ انجمن، نہ وقف، نہ ادارہ، نہ مدرسہ، نہ مکتب، نہ کالج، نہ سرمایہ، نہ چندہ۔ گویا دین اسلام کا عمل اور کام سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ سیاسیات میں، نہ اقتصادیات میں، نہ اخلاق اور عادات میں، نہ عقائد اور عبادات میں نہ معاشرت اور معیشت میں، نہ تجارت و زراعت، نہ صنعت و حرفت میں۔ غرضیکہ کسی بھی شعبہ زندگی میں اسلام پر عمل اور اس کے مطابق اپنے کاموں اور اعمال کی درستی کا اہتمام موجودہ حالات میں آپ کو نظر نہ آئے گا۔ اگر آپ ارباب سیاست سے خطاب کریں تو وہ کہیں گے کہ دین اور مذہب کا سیاسیات سے کیا تعلق۔ اگر اقتصادیات، تجارت، زراعت

اور صنعت و حرفت والوں سے آپ کہیں تو حیران ہو کر کہیں گے کہ ہیں! ان میں بھی اسلام کا کچھ دخل ہے! اگر آپ اخلاق و عادات کے کاموں میں اسلامی احکام پیش کریں تو کہیں گے کہ عادات و اخلاق میں مداخلت کا کیا معنی؟ اس قسم کی پابندیاں اور معاشرت و معیشت میں مذہب کا دخل انسانی آزادی اور حریت کے خلاف ہے۔ رہ گئے عقائد اور عبادات تو ان کی حیثیت موجودہ وقت میں اضحکہ اور حبالہ اغراض بنی ہوئی ہے۔ اسلام کے کروڑوں غلاموں اور تابع داروں میں سے شاید آپ کو چند سو یا چند ہزار بھی ایسے نہ ملیں گے جو ہر شعبہ زندگی میں اسلامی احکام اور آئین کے مطابق کام کرتے ہوں۔ اور آج دنیا میں عملی اعتبار سے اسلام غریب، مغلوب اور مقہور ہے، انسا

لله وإنا إليه راجعون۔

اس تمام فساد کی بنیاد یہ ہے کہ مسلمانوں نے اسلامی نقطہ نظر سے عمل اور کام کی حیثیت اور صحیح مرتبے کو نظر انداز کر دیا اور مجرد علم کو جو اس عمل کا ذریعہ ہے، مقصد اور مطلوب اصل کا درجہ دے دیا ہے۔ اس لیے امر بالمعروف نہی عن المنکر، تعاون علی البر والتقویٰ اور عدم تعاون علی الاثم والعدوان سب مفقود ہو گئے۔ جن پر اعمال اور اس کی اصلاح کا مدار تھا۔ اور علم کی حیثیت ان کتابوں کی سی رہ گئی جو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق چوپائیوں پر لدی ہیں۔

کیا جماعت اہل حدیث خلقت انسان کے اس مقصد کی تحصیل امر بالمعروف، نہی عن المنکر، تعاون علی البر والتقویٰ اور عدم تعاون علی الاثم والعدوان جیسے اہم فرائض کی طرف توجہ کرے گی۔ اور ان کی تعمیل و تکمیل کے لیے اپنی کوششوں کو مجتمع اور مستحکم کرے گی۔ اس کی سب سے زیادہ ذمہ داری اسی جماعت پر عائد ہوتی ہے اور وہی اس کی نسبت اللہ و رسول کے ہاں سب سے زیادہ جوابدہ ہے، اس لیے کہ وہی سب سے زیادہ اسلامی علوم کی حامل اور ان پر عمل کی پابند ہے۔ نہ صرف پابند ہے بلکہ وہ ان فرائض کے اداء و تحمل کی اہل بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کی دیکھیری فرمائے، آمین۔



دینی مدارس..... اصلاح احوال!

محمد یسین ظفر (سیکرٹری جنرل وفاق المدارس السلفیہ، پاکستان)

دنیا کا کون سا نظام ایسا ہے جس میں بہتری کی گنجائش نہ ہو! مدارس کا نظام بھی اس میں شامل ہے۔ اس نظام تعلیم کی بہتری کے لیے غور و فکر اور دنیا میں موجود دیگر تعلیمی نظاموں کے ساتھ تقابلی جائزہ لیا جاتا ہے۔ مدارس کے اہداف کو مزید اعلیٰ اور ارفع بنانے اور اس کے دائرہ عمل میں وسعت پیدا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ بہتر نتائج سامنے آئیں۔ اس ضمن میں مدارس کو ہنگامی بنیادوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

نصاب کی تدریس بلاشبہ اہم ترین کام ہے۔ اگر اس کی تکمیل کے لیے نصاب کو تعلیمی مدت پر برابر تقسیم کر دیا جائے یعنی سہ ماہی یا ششماہی، تو جائزہ لینا آسان ہو جائے گا کہ کتنا نصاب مکمل ہو گیا ہے اور باقی کتنا ہے۔

لیکن نصاب کی تدریس سے بھی اہم کام اساتذہ کرام کی تربیت ہے۔ اس بات کا جائزہ لینا مدارس کے اہل حل و عقد کا کام ہے کہ وہ دیکھیں کہ جن اساتذہ کو انھوں نے تدریس کے لیے منتخب کیا ہے، کیا وہ تدریس کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور کیا ان میں اتنی لیاقت ہے کہ کتاب کی تفہیم کرا سکیں۔ اس کے باوجود کہ اساتذہ باصلاحیت اور لائق ہوں، انھیں فنی اور اخلاقی تربیت کی ضرورت ہے۔ فنی اس اعتبار سے کہ انھیں مضمون کے بارے میں صحیح معلومات فراہم کی جائیں تاکہ وہ تدریس کا صحیح انداز اور اسلوب جان سکیں۔ طلبہ کی نفسیات سے آگاہی رکھتے ہوں۔ اور ایک پرکشش ماحول میں وہ تدریسی عمل جاری رکھیں۔ اخلاقی اعتبار سے وہ طلبہ کے لیے قابل قبول ہوں۔ شفقت، محبت اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ کریں۔ طلبہ یہ بات محسوس کریں کہ اساتذہ ہمارے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں۔ ہمیں کچھ دینا چاہتے

وفاق المدارس السلفیہ اہل حدیث مکتبہ فکر کے مدارس اور جماعات کا امتحانی بورڈ ہے۔ جس کی ابتدا ۱۹۷۸ء میں ہوئی۔ آغاز میں صرف آخری امتحان ”عالمیہ“ لیا جاتا تھا۔ بنیادی مقصد مدارس کو ایک لڑی میں پرونا اور ان میں وحدت قائم کرنا تھا تاکہ وہ ایک نظام اور نصاب کے تحت کام کریں۔ وقت گزرنے کے ساتھ مدارس میں ”وفاق المدارس“ کی افادیت اور اہمیت محسوس کی جانے لگی۔ خصوصاً جب حکومت پاکستان نے ”عالمیہ“ کی سند کو ایم۔ اے عربی اور اسلامیات کے مساوی قرار دے دیا تو اس کی اہمیت دوچند ہو گئی۔

ہر چند کہ وفاق المدارس السلفیہ کا آٹھ سالہ نصاب مدارس میں باقاعدہ پڑھایا جا رہا تھا مگر وفاق المدارس السلفیہ پہلے تین مراحل: ثانویہ عامہ، ثانویہ خاصہ اور عالیہ کا امتحان نہیں لیتا تھا۔ نظام اور قانون اس بات کا متقاضی تھا کہ عالمیہ کی سند سے قبل ابتدائی مراحل کے امتحانات ضرور ہوں تاکہ شہادۃ العالمیہ کے حامل طالب علم کے پاس نچلے درجے کی اسناد موجود ہوں، اور یہ تسلسل ثابت ہو کہ اس نے باقاعدہ ثانویہ عامہ، خاصہ، عالیہ اور عالمیہ پاس کیا ہے۔ لہذا اس بنیاد پر وفاق نے نچلے درجے کے امتحانات کا اہتمام کیا۔ اگرچہ ابتدا میں کچھ مشکلات آئیں مگر بہت جلد مدارس نے اس نظام کو قبول کر لیا۔ اب وفاق سے ملحق تمام مدارس (ولسبنین و لیسبات) یہ امتحانات دلوارہے ہیں۔ اور وفاق المدارس سے فارغ طالب علم مکمل اسناد کا حامل ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اسے اب ملازمت کے حصول میں یا مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ اور ہائر ایجوکیشن بھی آسانی سے اسے ایم۔ اے عربی و اسلامیات کے مساوی سرٹیفکیٹ جاری کر دیتا ہے۔

ہیں۔ اساتذہ اپنی گفتگو سے طلبہ کو متاثر کریں۔

استاد کی تربیت کا مقصد استاد کے فکری جمود کو ختم کر کے وسعت نظر پیدا کرنا ہے تاکہ وہ طلبہ میں بھی یہی خوبی پیدا کر سکے۔ علمی رسوخ حاصل کرے۔ اور عصری چیلنجز کا سامنا خندہ پیشانی سے کر سکے۔ پریشان ہونے کے بجائے ان کو حل کرنے پر آمادہ نظر آئے۔ تربیت ہی سے خود داری پیدا ہوتی ہے۔ دوسروں پر انحصار کرنے کی بجائے خود کفالت کا جذبہ اجاگر ہوتا ہے۔ اساتذہ کرام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دوران تدریس جدت پسندی کی آڑ میں ابھرنے والے فتنوں کی نہ صرف نشاندہی کریں بلکہ اس کا مؤثر جواب دینے کی صلاحیت بھی پیدا کریں۔

دینی مدارس کے ارباب حل و عقد اور گرامی قدر اساتذہ اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ آج کل طلبہ میں دینی علوم سے بے رغبتی پائی جاتی ہے۔ ان کی ترجیحات بدل گئی ہیں۔ اس کے اسباب و علل بھی واضح ہیں، لہذا اس کا علاج بھی از حد ضروری ہے۔ ان تمام وجوہات کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے۔ دینی مدارس کے نصاب، نظام اور اہداف پر از سر نو غور و فکر کیا جائے۔ طلبہ کی توجہ حاصل کرنے کے لیے ہمیں اپنے نظام کو پرکشش بنانے اور نصاب میں دلچسپی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

مدارس کے ذمہ داران کو روایت سے ہٹ کر فیصلے کرنا ہوں گے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم زمینی حقائق کا ادراک کریں۔ ضروری نہیں کہ سابقہ غلطیوں کو دہرائیں۔ اصلاح احوال کے لیے بہتر نظام کو قبول کرنے میں دیر نہ کریں۔ دینی مدارس کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ یہ صدیوں پرانا نصاب پڑھاتے ہیں جس کی اب ضرورت نہیں رہی۔ اور جدید عصری علوم کی تدریس کو اچھا نہیں سمجھتے، حالانکہ یہ حقائق کے منافی بات ہے مگر افسوس کہ ہم اس تاثر کو عملی طور پر ختم نہ کر سکے۔

اگرچہ مدارس دینی علوم کی تدریس کے لیے وجود میں آئے ہیں۔ دینی علوم کا ماخذ تو قرآن و سنت ہے۔ صدیاں گزرنے کے باوجود قرآن و سنت کی اہمیت و ضرورت بالکل اسی طرح سے ہے جس وقت یہ نازل ہوا تھا۔ قرآن و سنت کو سمجھنے کے لیے معاون علوم موجود ہیں۔

بلاشبہ وقت گزرنے کے ساتھ اس میں تبدیلیاں آتی رہی ہیں۔ دینی مدارس کا نصاب کبھی جمود کا شکار نہیں ہوا۔ ضرورت کے مطابق اس کے نصاب میں رد و بدل کیا جاتا رہا ہے اور یہ عمل آج بھی جاری ہے۔ بنیادی طور پر مدارس کا کام اسلامی سکالر اور علماء تیار کرنا ہے۔ جن کی بنیاد اسلامی تعلیم ہی ہے لیکن عصری علوم کی تدریس سے کبھی انکار نہیں کیا۔ اکثر دینی مدارس میں حالات حاضرہ، اقتصادیات، سیاسیات، تقابلی ادیان ایسے مضامین پڑھائیں جاتے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم باضابطہ ان مضامین کو نصاب کا حصہ بنائیں۔ وفاق المدارس نے ان مضامین میں اختیار کا حق دیا ہے۔ اگر ہم طلبہ کے لیے یہ مضامین لازمی قرار دے دیں تو اس کے اچھے نتائج سامنے آئیں گے۔

مدارس کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لیے ایک مستحکم نظام کی ضرورت ہے۔ وفاق المدارس السلفیہ نے مدارس کی سہولت کے لیے نصاب کو چار مراحل میں تقسیم کیا ہے تاکہ مدارس اپنی حیثیت اور وسائل میں رہتے ہوئے مرحلہ وار تعلیم کا اہتمام کریں، مثلاً اگر کسی مدرسے کے پاس جگہ اور وسائل کی کمی ہے تو وہ صرف ابتدائی مرحلہ یعنی ثانویہ عامہ کی کلاس رکھے۔ اگر جگہ میسر ہے لیکن اساتذہ نہیں، تب بھی اسے باقی مراحل کی تعلیم شروع نہیں کرنا چاہیے۔ اور اگر کسی مدرسے کے پاس جگہ اور اساتذہ موجود ہیں تو تمام مراحل کی تعلیم کا اہتمام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اکثر مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ ابتدائی کلاسوں میں چند طلبہ ہیں، درمیانی مرحلے میں کوئی طالب علم نہیں جب کہ بخاری شریف میں دو چار طالب علم موجود ہیں تاکہ سال کے آخر میں اختتام بخاری شریف کی تقریب کا اہتمام ہو سکے۔ اس سے تعلیمی معیار بھی نہیں رہتا اور وسائل بھی ضائع ہوتے ہیں۔

اب یہ رویہ بدلنا ہوگا۔ حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے مدارس کی درجہ بندی کرنا ہوگی۔ اس کے بغیر اچھی تعلیم و تربیت کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔ ہمیں ہٹ دھرمی اور ضد کی بجائے کھلے دل سے درجہ اول، دوم، سوم اور چہارم میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لینا چاہیے۔

ہے۔ دعا ہے اللہ کریم مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علین عطا کرے۔ اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔ اراکین ادارہ الاعتصام لواحقین کے غم میں شریک ہیں۔ (محمد سلیم چنیوٹی)

پروفیسر سینیئر ساجد میر صاحب کی سمندری آمد مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے امیر، محترم پروفیسر سینیئر ساجد میر صاحب مرکزی جمعیت اہل حدیث ویٹھ فورس سمندری کی دعوت پر تشریف لائے۔ اس موقع پر انھوں نے جمعیت اہل حدیث سمندری کی ۴۸ ویں سالانہ سیرت شافع محشر ﷺ کانفرنس سے خطاب کیا۔ بعد ازاں مسجد اہل حدیث نہر بازار سمندری میں واقع علمی لائبریری کے اضافی حصے کا افتتاح فرمایا۔ اس موقع پر قاری محمد حنیف ربانی، مولانا محمد یوسف پسروری، مولانا عبدالرشید حجازی و دیگر احباب و علماء نے بھی خطاب فرمایا۔ کثیر احباب شریک ہوئے۔ (اراکین مرکزی جمعیت اہل حدیث سمندری، ضلع فیصل آباد)

ضروری اعلان

- ہفت روزہ ”الاعتصام“ لاہور میں مضامین ارسال کرنے والے خواتین و حضرات درج ذیل باتوں کا ضرور خیال فرمایا کریں:
- ⊙ مضمون کاغذ کی ایک طرف لکھا ہو، صاف ستھرا اور حاشیہ چھوڑ کر لکھیں۔
 - ⊙ مضمون مدلل، باحوالہ، آیت، حدیث اور کتب کے نام و صفحہ نمبر مکمل تحریر فرمائیں۔
 - ⊙ جلسوں، کانفرنسوں کے اشتہارات یا اعلانات بھیجنے والے احباب اس کا اعلان جلسہ یا کانفرنس کے انعقاد سے پندرہ دن پہلے ارسال کر دیا کریں، نیز ان جلسوں یا تقاریب کی رپورٹ وغیرہ شائع کرنے سے ادارہ قاصر ہے۔
 - ⊙ مضمون ارسال کرنے والے شائع ہونے کے لیے اپنی باری کا انتظار کیا کریں نیز غیر معیاری مضامین کی اشاعت سے اداه معذرت خواہ ہے۔ امید ہے قارئین دفتر الاعتصام سے تعاون کریں گے۔ (منیجر)

اس میں ہتک محسوس نہ کریں۔ ابتدائی مراحل کے بعد طلبہ کو بڑے مدارس میں منتقل کر دینا چاہیے۔ بڑے تعلیمی اداروں کا ماحول طلبہ کو متاثر کرتا ہے۔ کھلی کشادہ عمارتیں طلبہ میں وسعت نظر پیدا کرتی ہیں جب کہ تنگ و تاریک کمرے طلبہ میں تنگ نظری کا سبب بنتے ہیں۔ آئیے! ہم سب مل کر ایک نئے دور کا آغاز کریں۔ ایک روشن اور امید افزا مستقبل کی جانب قدم بڑھائیں۔ ایسے علماء تیار کریں جو معاشرے کے لیے باعثِ رحمت ہوں۔ جو امن و سلامتی کو فروغ دیں۔ جو علم کے چراغ روشن کریں اور حکمت و تدبیر کی مشعلیں اٹھائے تبلیغ کا فریضہ انجام دیں۔ دینی مدارس ہی میں وہ قوت اور صلاحیت ہے جس سے معاشرے میں تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔ لوگ ان سے امیدیں وابستہ کیے ہوئے ہیں۔ تعلیم و تدریس اور تعلیم و تعلم میں مشغول درویش دنیا سے بے نیاز ہو کر حقیقی منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ روشن صبح بہت جلد طلوع ہوگی۔ ان شاء اللہ



قاضی بشیر الدین کی اہلیہ کا انتقال پر ملال

محترم قاضی بشیر الدین (گرگھی شاہو لاہور) کی زوجہ محترمہ ۸ ذوالحجہ بمطابق ۵ نومبر ۲۰۱۱ء بروز ہفتہ وفات پا گئیں۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم کی بیٹی، حافظ محمد چودھری مرحوم اور مولانا حکیم محمود سلفی مرحوم (گوجرانوالہ) کی ہمشیرہ محترمہ تھیں۔ ان کی نماز جنازہ میں کثیر احباب جماعت، عزیز واقارب نے شرکت کی۔ نماز جنازہ کی امامت مرحومہ کے بھتیجے، جامع المکرم اہل حدیث ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ کے خطیب حافظ اسد محمود صاحب نے کروائی۔

ان کی نماز جنازہ میں حافظ احمد شاکر، مولانا محمد اسحاق بھٹی، ڈاکٹر یوسف فاروق وزیر آباد، حکیم عتیق الرحمن، حافظ صلاح الدین یوسف، حافظ حماد شاکر، حاجی عبدالقیوم لوکو ورکشاپ، امان اللہ، عتیق اللہ، مرحومہ کے لواحقین جناب عرفان بشیر قاضی و برادران، دوست احباب کی کثیر تعداد شامل ہوئی۔ احباب سے دعائے مغفرت کی درخواست

نورِ ہدایت

عطاء محمد جموعہ

استعمال کرتے تھے۔ اس قدر ذیشان اور باوقار مقدس ہستی کو اپنے جیسا بشر کہنا احمقانہ فعل ہے۔ تاہم اُن کا نوع انسانی سے انکار اور نوری مخلوق کا اقرار کا نظریہ قطعاً درست نہیں۔ کیونکہ نوری مخلوق کے سربراہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے مقام کی جہاں انتہا ہے وہاں سید البشر محمد ﷺ کے مرتبہ کی ابتدا ہے، بقول مولانا روم۔

گر یک سرموئے بالا پر
فروغ تجلی بسوزہ پر

بلاشبہ رحمت کائنات ﷺ کی ذات اقدس نور ہدایت ہے جن کی آمد سے کفر و شرک کی ظلمت مٹ گئی اور کائنات توحید و سنت کے نور سے منور ہو گئی، تاہم وہ نوری مخلوق نہیں۔ اگر آپ ﷺ کو نوری مخلوق تسلیم کر لیا جائے تو آپ ﷺ کے فرمان:

((علي مني وأنا من علي)) (ترمذی)
”علی مجھ سے اور میں علی ہوں۔“

کی روشنی میں حضرت علی حیدر کرار رضی اللہ عنہ اور اُن کی اولاد کو نوری مخلوق تسلیم کرنا پڑتا ہے تو اس طرح اُس گروہ کا موقف درست تسلیم کرنا پڑے گا جن کا نظریہ ہے کہ نوری منصب پر بشر کا فائز ہونا درست نہیں۔ اگر موجودہ دور کے علوی خاندان سے تعلق رکھنے والے نوری ہیں تو وہ شریعت کے احکام کی اعلانیہ خلاف ورزی کیوں کرتے ہیں؟ اگر نہیں تو نوری مخلوق نوع بشر میں کب، کیسے اور کیونکر منتقل ہوئی؟ اگر آپ معقول جواب نہیں دے سکتے تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ محسن انسانیت محمد ﷺ نوری مخلوق نہیں نور ہدایت ہیں۔



یہود و نصاریٰ اس تک و دو میں ہیں کہ امت مسلمہ کے دلوں سے نبی کریم ﷺ کی محبت و عقیدت کا جذبہ مدہم پڑھ جائے اور وہ قرآن حکیم کی تفسیر بالحدیث کی بجائے خواہشات نفسانی کی پیروی میں قرآن کی من مانی تعبیر کو اپنا شعار بنالیں۔ چنانچہ اُن کی خفیہ مذموم وارداتوں کی بدولت گستاخ اور منکرین حدیث گروہوں نے جنم لیا۔

الحمد للہ! آج بھی علماء حق کی مساعی جمیلہ سے دینی مدارس، اشاعتی ادارے اور روحانی مراکز قائم ہیں جو نئی نسل کو کتاب و سنت کی تعلیم، تزکیہ نفس کا اہتمام اور اتباع رسول ﷺ کے جذبے کو بیدار کر رہے ہیں۔ اسلام کی سر بلندی کی خاطر طاعوتی قوتوں کے خلاف نبی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ اور خاتم النبیین ﷺ کی زبان اطہر سے نکلی ہوئی معطر خوشبو کو سینہ بہ سینہ منتقل کر رہے ہیں۔

خاتم النبیین ﷺ کے بعد اللہ کی طرف سے وحی کا نزول بند ہو گیا۔ اب کوئی انسان دعویٰ کرے یا کوئی شخص اپنے مقتدا کے بارے اعتقاد رکھے کہ اُس پر وحی آتی ہے سمجھ لو یہ الہام الہی نہیں شیطانی و سوسہ ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی صاحب علم و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور طہارت کی وجہ سے چاہے کتنا بلند مرتبہ حاصل کر لے لیکن وہ عصمت خطا کا حق دار نہیں ہو سکتا کیونکہ نبی کریم ﷺ کے بعد کسی کو معصوم کہنا عقیدہ ختم نبوت کے منافی ہے۔

عام آدمی کے جسم سے پسینہ بہے تو اس کی بدبو سے جی متلا جاتا ہے۔ سبحان اللہ! سید الکونین ﷺ کے جسم سے پسینہ آئے تو خوشبو سے گلیاں مہک اٹھیں۔ صحابہ کرام اسے محفوظ کر کے عطر کے طور پر

تبصرہ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دوستوں کا آنا ضروری ہے

کتاب سے استفادہ کر کے جمعۃ المبارک پڑھا سکیں گے۔ کمپیوٹر کمپوزنگ اور مجلد کتاب ہے۔

جرح و تعدیل

مؤلف: ڈاکٹر اقبال احمد محمد اسحاق بسکو ہری

ضخامت: ۵۷۱ صفحات

قیمت: درج نہیں

ناشر: مکتبہ قاسم العلوم

ڈسٹری بیوٹر: ملک اینڈ کمپنی، رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ

اردو بازار، لاہور

تبصرہ نگار: حماد الحق نعیم

ابتدائے آفرینش ہی سے معرکہ حق و باطل چلا آ رہا ہے۔ ہر دور میں باطل قوتوں کے بالمقابل حق پرست سچائی کا علم بلند کرنے کے لیے کمر بستہ رہے ہیں۔ بالعموم ایسے لوگ باطل کے مقابلے میں ”اقلیت“ کی شکل میں منظر عام پر رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر حق پرستوں کی آواز تب غلغلے کا روپ دھارتی ہے اور حق کا بول بالا ہوتا ہے جب ایسے لوگ سر توڑ کوشش کر کے گزر چکے ہوتے ہیں۔ لیکن دین اسلام کا معاملہ قدرے مختلف ہے۔ اس میں پیدا ہونے والے فتنے اپنا عروج دیکھنے سے پہلے اپنی موت آپ مرجاتے ہیں کیونکہ اسلام ادیان عالم میں سے آخری اور ابدی دین ہے، چونکہ اس کے بعد کسی اور دین کا نزول ممکن نہیں اور اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود اللہ نے لیا ہے، اس لیے اللہ رب العزت نے اس میں پیدا ہونے والے فتنوں کے تدارک میں کسی قسم کی تاخیر نہیں فرمائی، اور ہر دور میں

روح قرآن

مرتب: حافظ محمد یعقوب

ضخامت: ۲۹۴ صفحات

قیمت: ۳۰۰ روپے

ناشر: مکتبہ محمدیہ، الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

زیر تبصرہ کتاب مندرجات کے اعتبار سے اُن مضامین و مقالات کا مجموعہ ہے جو قرآن کریم کی تفسیر کی صورت میں لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے علمائے اسلام نے بعض موقعوں کی مناسبت سے تحریر فرمائے۔

مضامین قرآن اور تعلیمات قرآن کو عام فہم اور آسان اردو زبان میں منتقل کر کے زیر تبصرہ کتاب کو ”روح قرآن“ کا عنوان دیا گیا ہے۔ اس مجموعے کا اسلوب خطیبانہ رکھا گیا ہے۔ بعض جگہ اردو اور پنجابی کے اشعار بھی درج کیے گئے ہیں۔ حافظ محمد یعقوب ایک مدرس اور خطیب بھی ہیں۔ انھوں نے اپنے ذوق کے مطابق یہ کتاب واعظ اور خطیب حضرات کی سہولت کے لیے جمع کی ہے تاکہ خطبہ جمعہ یا درس قرآن دینے والوں کے لیے آسانی رہے۔

اس کتاب کے چھوٹے چھوٹے عناوین رکھے گئے ہیں۔ چند ایک عناوین درج ذیل ہیں:

حمد باری تعالیٰ، نعت مصطفیٰ ﷺ، خالق کائنات کون؟، مختار کل کون؟ حدیث شریف کا مفہوم، عبادت کی اقسام، دعا صرف اللہ تعالیٰ سے، عالم الغیب کون؟ وغیرہ۔ نو آموز خطباء اور واعظ حضرات اس

تاریخی حیثیت کا غلبہ محسوس ہوتا ہے جبکہ ”جرح و تعدیل“ رجال کے خصوصی گوشہ حیات کے متعلق بحث کرتا ہے۔ اس میں دیکھا جاتا ہے کہ آدمی عدالت و ثقافت کے کس مرتبے پر پورا اُترتا ہے۔ یہ دونوں فنون لازم و ملزوم ہیں۔

مذکورہ بالا چند تمہیدی باتیں عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ زیر تبصرہ کتاب کے موضوع کا پس منظر واضح ہو جائے اور اس کی ٹھیک طرح اہمیت کا ہمیں ادراک ہو جائے۔

”جرح و تعدیل“ کے مؤلف مولانا ڈاکٹر اقبال احمد محمد اسحاق بسکو ہری ہیں۔ مولانا بسکو ہری ۱۹۵۷ء میں پیدا ہوئے۔ مولانا ان کا چیونٹھوا، گونڈہ (حال بلرام پور) یو پی ہے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ محمدیہ چیونٹھوا، جامعہ رحمانیہ بنارس اور جامعہ سفیہ بنارس میں حاصل کی۔ بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے لیے جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ چلے گئے۔ وہاں ایم۔ اے کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۸۶ء میں جامعہ اسلامیہ سے سند فراغت حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں مولانا عبدالمعید بناری، مولانا عبدالحید رحمانی، ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی، ڈاکٹر ربیع بن ہادی المدخلی وغیرہم کبار علماء کے اسمائے گرامی نظر آتے ہیں۔ فراغت کے بعد اپنے مولد و مسکن بھارت تشریف لے آئے۔ اب جامعہ محمدیہ، منصورہ، مالگاوں کے شعبہ حدیث کے صدر ہیں اور مختلف علمی، تدریسی و تصنیفی کام سرانجام دے رہے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب مولانا بسکو ہری کے علمی کارہائے نمایاں میں امتیازی حیثیت کی حامل ہے۔ اس موضوع پر اگرچہ عربی زبان میں بہت سا کام کیا جا چکا ہے لیکن ہماری معلومات کی حد تک اردو زبان میں یہ اپنی نوعیت کی اولین کتاب ہے۔

مؤلف محترم نے کتاب کو چار ابواب، ایک مقدمہ اور اختتامیہ میں تقسیم کیا ہے۔ مقدمے میں انھوں نے مختصراً وضع حدیث کی تاریخ اور اس فتنے کا پس منظر بیان کیا ہے کہ کس طرح انھوں نے ذخیرہ حدیث میں دخل اندازی کی مذموم کوشش کی۔ پہلے باب میں اسناد اور طبقات رجال پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ دوسرا باب جرح و تعدیل

ایسے اخیال اس کی حفاظت کو کھڑے کر دیے جو ہر قسم کے لالچ کو ٹھکرا کر، پہاڑوں جیسی ہمت لیے باطل قوتوں کے سامنے سینہ سپر رہے۔

اسلام کے ظہور کے فوراً بعد ریشہ دو انیاں کرنے والے ہمیشہ اس کے آس پڑوس کے لوگ رہے ہیں جنہیں عرف عام میں منافق کہا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس قدر ان لوگوں نے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا ہے اس قدر نقصان اغیار نے بھی نہیں دیا، چنانچہ پہلے پہل عبداللہ بن سبا یہودی اور اس کی پارٹی ”اغیار“ کے روپ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اٹھی لیکن خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کر سکی۔ بعد ازاں یہی لوگ جب ”شیعان علی“ کے روپ اور سیاسی شکل میں سامنے آئے تو انھوں نے مسلمانوں کے اتحاد میں رخنہ اندازی کی اور کافی حد تک کامیاب رہے لیکن مسلمان جلد ہی سنبھل گئے اور ایسے فتنہ پردازوں کے خلاف متحد ہو گئے۔

جب ان سیاسی ”دین دار“ فرقوں نے محسوس کیا کہ ان کی مقبولیت دن بہ دن گھٹ رہی ہے تو انھوں نے اپنی افتراقی سیاست پر مذہبی رنگ چڑھانے اور اپنے باطل نقطہ نگاہ کے لیے دین کا سہارا لینا چاہا۔ سہارا نہ ملنے کی صورت میں اس میں نفوذ کا راستہ اپنایا۔ کتاب اللہ میں انھیں اپنے مقصد کی کامیابی نظر نہ آئی تو بزعم خویش سنت رسول کو اپنے مقصد بد کے لیے ہموار پایا، احادیث گھڑنے کے مرتکب ہوئے اور سب کے سب پکڑے گئے۔

ابتدا میں اس فتنے کی سرکوبی کے لیے کسی باقاعدہ علم کا وجود اگرچہ نہیں تھا لیکن علماء صحابہ و تابعین ہمیشہ چوکنے رہے کہ کہیں کسی غلط بات کو بغیر چھان پھٹک کے صحیح سمجھ کر قبول نہ کر لیا جائے۔ جب اس گروہ کی سرگرمیاں شدت اختیار کر گئیں تو پاسبان دین حنیف نے ضرورت محسوس کرتے ہوئے ایک ایسے بے مثال علم و فن کی بنیاد رکھی جس کی نظیر تاریخ عالم میں کہیں نہیں ملتی، یعنی ”اسماء الرجال“ اور ”جرح و تعدیل“ کا فن جس کی تعریف میں اغیار بھی رطب اللسان ہیں۔

ہمارے خیال میں فن ”اسماء الرجال“ میں کسی قدر عمومیت پائی جاتی ہے۔ اس نام سے ایسے فن کا تاثر ابھرتا ہے جس میں رجال کی

نہیں رکھتے۔ ”جرح و تعدیل“ شگفتہ اور سلیس اردو زبان میں ہے، پس استفادہ اس سے مزید آسان ہو گیا ہے۔ طلبائے علوم اسلامیہ کو چاہیے کہ وہ اس کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کریں اور اس کے مندرجات کو مد نظر رکھیں تاکہ تبلیغ دین کا فریضہ بطریق احسن اور صحیح صورت میں ادا کر سکیں۔

آخر میں مؤلف محترم کے سامنے گزارش ہے کہ جس عرق ریزی سے انھوں نے زیر تبصرہ کتاب ترتیب دی ہے، اس کی افادیت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن کیا ہی اچھا ہو اگر وہ اس فن پر نصابی شکل میں بھی ایک کتاب الگ سے یا اسی زیر تبصرہ کتاب کی ہی تلخیص مذکورہ غرض سے فرمادیں! اس سے جہاں ہمارے طلبہ مستفید ہوں گے وہیں یہ کام اس فن کی اشاعت میں گراں قدر اضافہ بھی ہوگا۔ واللہ التوفیق



کے قواعد و مراتب اور الفاظ جرح و تعدیل پر مشتمل ہے۔ تیسرے باب میں ائمہ جرح و تعدیل کا عمدہ تعارف کرایا گیا ہے جس سے ائمہ جرح و تعدیل سے منقول اقوال جرح و تعدیل کے مرتبہ کا تعین بہ سہولت ممکن ہو جاتا ہے۔ چوتھے باب میں کتب جرح و تعدیل کا مفصل تعارف ہے جو بارہ ذیلی عناوین پر مشتمل ہے۔ اختتامیے میں مؤلف محترم نے ایک دو مثالوں سے قواعد جرح و تعدیل کا عملاً استعمال، مکمل کتاب کا مرکزی خیال، جسے ایک طرح سے خلاصہ بھی کہا جاسکتا ہے، تحریر فرمایا ہے۔ جس سے کتاب کی افادیت دو چند ہو گئی ہے۔ کتاب انتہائی مفید اور بدرجہ غایت کارآمد معلومات سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ مبتدئیوں اور منتہیوں کے لیے یکساں مفید ہے۔ چونکہ ہماری جامعات میں عموماً اس موضوع پر الگ سے کوئی کتاب شامل نصاب نہیں ہے، اس لیے ہمارے اکثر طلبہ اس فن سے پوری طرح واقفیت

طبع اول (۱۹۵۶ء)
طبع دوم (۲۰۱۰ء)

حجیت حدیث نمبر ہفت روزہ الاعتصام

ہفت روزہ الاعتصام کے حجیت حدیث نمبر کا دوسرا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے۔ یہ نمبر موضوع اور مضامین کے تنوع کے اعتبار سے اس لائق ہے کہ اسے ہر حلقہ میں پہنچایا جائے۔ فاضل مضمون نگاروں نے نہایت محنت اور تحقیق سے اس کے مضامین تحریر فرمائے ہیں۔ اپنی گونا گوں خصوصیات کے لحاظ سے اور انکار حدیث کی رہ کر اٹھتی لہروں سے نپٹنے کے لیے علمی دستاویز اس قابل ہے کہ جماعت کے ذمہ دار حضرات، مساجد کے خطباء کرام، پڑھے لکھے تاجر و صنعتکار احباب سکولوں، کالجوں، سرکاری لائبریریوں، اساتذہ، پروفیسروں اور اصحاب علم و تحقیق تک اس کو پہنچائیں خصوصاً مدارس دینیہ کے منتہی طلباء کو یہ تحفہ پیش کریں تاکہ طلباء اس سے مستفید ہو کر فتنہ انکار حدیث کے ہر پہلو سے آشنا ہو کر خدام حدیث کی سنہری لڑی میں شامل ہو جائیں۔

حالیہ اشاعت الاعتصام کے موجودہ سائز پر طبع کی گئی ہے جو تین صد سے زائد صفحات پر مشتمل اور چہار رنگ ٹائٹل سے مزین ہے۔ ہم نے اس میں اشتہارات دے کر قارئین کے علمی ذوق کو مجروح نہیں کیا۔ اس نمبر میں ہر فاضل مضمون نگار کا مختصر تعارف مضمون کے شروع میں دینے کی جدت بھی مولانا محمد اسحاق بھی رحمۃ اللہ علیہ نے ایجاد کی تھی جن کو اب موجودہ حالات کے مطابق مکمل کر دیا گیا ہے۔

قیمت 360 روپے

کمپیوٹر کمپوزنگ ○ عمدہ سفید کاغذ ○ چہار رنگ ٹائٹل سے مزین جلد

ترجمہ و تفسیر
فضیلۃ الشیخ محمد منیر قمر حفظہ اللہ
تحقیق و تخریج
حافظ شاہ محمود
فاضل مدینہ یونیورسٹی

خطبات جمعہ اور دروس مساجد کے لیے رہنما کتاب
سال بھر کی ترتیب کے ساتھ

خطبات
مکہ مکرمہ
۱۴۲۲ھ

جلد اول

خطباتِ حرمین

خطبات النبیاء

ڈاکٹر عبدالرحمن السدیس، ڈاکٹر سعود الشریم،
ڈاکٹر صالح بن حمید، محمد بن عبد اللہ السبیل،
ڈاکٹر أسامہ خیاط، ڈاکٹر عمر بن محمد السبیل

● مجلد

● عمدہ طباعت

● صفحات 560

حج و عمرہ اور زیارتِ حرمین کے احکام و مسائل

تالیف

فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

تحقیق و تخریج

فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالرؤف حفظہ اللہ
فاضل مدینہ یونیورسٹی

سوئے حرم

● مجلد ● عمدہ طباعت ● صفحات 416

ناشر

امیر القرآن پاکستان
سیکوت روڈ گوجرانوالہ

مکتبہ کتب و سنت
رجیان چیمبر - ڈینک

فون: 0333-8110896, 0321-6466422

ملنے کا پتہ

مکتبہ اسلامیہ اردو بازار لاہور: 0300-8661763 کتاب سرائے اردو بازار لاہور: 0321-4163595
مکتبہ سلفیہ اردو بازار لاہور: 0423-7361505 مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور: 0423-7351124
دارالافتار اسلامیہ واہ گینٹ یکسلا: 0321-5216287 الحرمین پبلی کیشنز کراچی: 0333-3030804
فضلی پبلی کیشنز کراچی: 021-2629724 مکتبہ نعمانیہ گوجرانوالہ: 0321-7475072 دارالکتب گوجرانوالہ: 0322-4074195

ہلال و صلیب

جو کش مکش ہے آج صلیب و ہلال میں
گزری نہ تھی کبھی مرے وہم و خیال میں
حق پا بگل ہے باسفرس کے کنارہ پر
باطل ہے سر بلند درِ دانیال میں
لہرا رہا ہے بامِ حرم پر لوائے کفر
لیٹا ہوا ہے کعبہِ کلیمِ ضلال میں
اقصائے شرق و غرب میں اک حشر ہے پیا
پھیلا ہوا ہے فتنہ جنوب و شمال میں
وہ زخمِ دل کشائے سر سے ہرے ہوئے
آنے نہ پائے تھے جو ابھی اندمال میں
مسلم کے خوں سے مشرق و مغرب ہیں لالہ زار
گزرے ہیں سات سال جدال و قتال میں
شرعِ نبی ہے دستِ خوشِ صولتِ فرنگ
سب فرق مٹ گیا ہے حرام و حلال میں
یزدانیوں کے صبر و رضا کا ہے امتحان
طاغوتوں کی درسِ گہِ اشتعال میں
یہ حال اپنے دوست کی امت کا دیکھ کر
بل پڑ گیا خدا کی جمینِ جلال میں
پہلے تھی ہم سے کفر کی ، اب ہے خدا کی جنگ
کچھ شک نہیں رہا ہے اب اس کے زوال میں

(مولانا ظفر علی خان رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ)